لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔ (سورۃ التین: آیت ۴)

امّت کے روشن چراغ

جلد اوّل

حسبِ ایماء

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی حفظہ اللہ چرتھاولی

خلیفہ ومجاز حضرت حاذق الامتؒ پرنامبٹ (خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامتؒ جلال آبادی) بانی ومہتمم دارالعلوم محمدیہ وخانقاہ رحیمی نگر

مرتب

قاری محمد افضل ممتاز رحیمی

ناظم دفتر، دارالعلوم محمدیہ بنگلور

ناشر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	امت کے روشن چراغ (جلد اوّل)
حسبِ ایماء	:	حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی حفظہ اللہ
مرتب	:	قاری محمد افضل ممتاز رحیمی
کتابت وتزئین	:	حبان گرافکس بنگلور
صفحات	:	200
تعداد	:	گیارہ (۱۱۰۰) سو
قیمت	:	.....روپے
ناشر	:	

مرتب کا مکمل پتہ

RAHEEMI SHIFA KHANA

#248, 6th Cross, Gangondanahalli Main Road,
Nayandhalli Post, Maysore Road
BANGALORE - 560039 (INDIA)
Ph.: 080-23180000, 23397836/72
www.raheemishifakhana.com
E-mail.: raheemishifakhana@yahoo.com

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1	انتساب	10
2	اپنی بات	11
3	امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	12
	حق پرستی کی اعلیٰ ترین مثال	13
4	حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ	15
	جھوٹی نبوت کا دعویٰ	15
	ابو مسلم خولانی کی دعوتِ ایمانی	16
	اسود عنسی سے خولانی رحمۃ اللہ علیہ کا مکالمہ	17
	اسود عنسی کذاب کو نصیحت	18
	ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ آگ سے زندہ سلامت نکل گئے	19
	سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات	19
	فراست فاروق رضی اللہ عنہ	20
	قیام مدینہ طیبہ	21
5	حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ	22
	خدا رسیدہ بیٹی	22

	دینداری اور تقویٰ کی برکت	23
	زندگی میں صالح انقلاب پیدا ہو گیا	24
	سلیمان بن عبد الملک کے جانشین کی تلاش	25
	امت مسلمہ کے پانچویں خلیفۂ راشد	26
	نبوت و رسالت کا سلسلہ	27
	نبوت و رسالت کی متعین میعاد	28
	ترکی کی خلافت ختم اور خلافت کمیٹی قائم	29
	عمر بن عبد العزیز کا اندازِ حکومت	30
	عمر بن عبد العزیز کو زہر دیدیا گیا	31
6	مفسر قرآن حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	33
7	ام الخیر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ	35
	آپ کی پیدائش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت عطا فرمائی	36
	رابعہ بصری کی عبادت	36
	اکابر علماء اور مشائخ آپکی خدمت میں	37
	آپ اپنی حاجت اللہ کے سامنے ہی پیش کرتیں	38
	میری حالت کا اللہ کو علم ہے	39
	رابعہ بصری کا نادر جواب	39
	جنت کی خواہش ہوتی تو	40
	چور ولی کامل بن گیا	41
	جانور بھی آپ سے انسیت رکھتے	42
8	حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ	44

9	حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ	50
	خالد بن صفوان کی نصیحت	51
	اللہ سے امیدیں وابستہ رکھو	51
10	طبیب اعظم ابوعلی سینا رحمۃ اللہ علیہ	53
	بولی سینا کی تصنیف	54
	علم طب پر مکمل دسترس	55
	آپکی معرکۃ الآراء کتابیں	56
	فلسفہ کے میدان میں شہہ سوار تھے	56
	علمی شاہکار ''القانون فی الطب''	58
	القانون کی اہمیت	58
	عقل اور الہام	60
	ابن سینا کا مکتب فکر	61
	گیلن آف اسلام	62
11	حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ	64
12	حجت الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	66
	امام کی پیدائش اور تعلیم و تربیت	67
	آخرت کی سعادت تقوے پر مبنی	69
	صوفیا راہِ خدا کے صحیح مسافر	70
13	عبداللہ بن خباب رحمۃ اللہ علیہ	71
14	قاضی یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ	73
15	قاضی یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ	75

	طاق بن زیاد نے کشتیوں میں آگ لگادی	76
	یہ ایک بڑا فتنہ ہے	77
16	قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ	79
17	حضرت یعقوب رحمۃ اللہ علیہ بن سکیت	81
18	یزید بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ	83
19	احمد بن معذل رحمۃ اللہ علیہ	85
20	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ	87
	آپ کے والد آپ کے پہلے استاد	88
	الجامع الصغیر فی الحدیث	89
21	حضرت قاضی اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ	92
22	ابوالمسک کافوری اخشیدی رحمۃ اللہ علیہ	95
23	سلیمان اعمش رحمۃ اللہ علیہ	98
24	حضرت یحییٰ بن یعمر لیثی رحمۃ اللہ علیہ	100
25	طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ	102
26	حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ	105
	حضرت شمس تبریز کی شادی اور شہزادے کی وفات	106
	اور شہزادہ زندہ ہوگیا	109
	اور شمس تبریز کی کھال کھینچ لی گئی	110
	پورا شہر آگ کی بھٹی بن گیا	111
	مولانا روم کا لوگ بڑا اکرام کرتے تھے	116
	زمین بھوکی ہے لقمۂ تر چاہتی ہے	117

27	ابوحازم سلمہ بن دینار	119
28	حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ	126
29	سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ چشتی سنجری	133
	پرتھوی راجہ کو سلطنت کا زوال نظر آنے لگا	135
	پرتھوی راجہ کو شکست ہوگئی	136
30	حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ	138
	خواجہ غریب نواز کی انفرادیت	141
	بڑے انقلاب کے بانی	143
	خواجہ کی مقبولیت اور تبلیغی اثرات	144
	سلسلہ چشتیہ اور اس کے بانی	147
	حضرت شیخ ابواسحاق چشتی شامی	148
31	شہزادۂ سلطان الہند خواجہ فخر الدین چشتی سرواڑی رحمۃ اللہ علیہ	149
32	امیر المومنین خلیفہ مامون	156
33	سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ	162
	ہندوؤں کی مذہبی آزادی	163
	محمود کی علم دوستی	165
	نسبتی الزام	166
	فردوسی اور محمود	166
	محمود اور سومناتھ	168
	محمود اور ایاز	168
	محمود اور طمع زر	169

34	عبدالرحمٰن نبیرہ ہشام بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ	170
35	عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ	172
	خلیفہ مکتفی	173
	قرامطہ کا حجاج کرام پر حملہ	174
36	سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ	177
	سید افغانی کا پہلا اخبار شمس النہار	178
	اسلام کے نام پر متحد ہونے کا پیغام	179
	افغانی نے شاہ کے خلاف تحریک چلائی	179
	افغانی کی رحلت اور تدفین	180
	مسلمانوں کا اتحادی مرکز بیت اللہ	181
37	مسلم مغل شاہوں کا ممنون ہے آزاد متحدہ ہندوستان	183
	بہادر شاہ ظفر نے جوڑا ہندو اور مسلمانوں کو	184
	انگریزوں کے خلاف متحدہ بگل	186
	ہندوستان کی ملی جماعتیں اور تنظیمیں	186
38	اسلاف کے انمول واقعات	188
	فتح بن خاقان	188
	علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ	188
	شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ	189
	مفسر قرآن مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	189
	شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ	189
	مشہور ادیب جاحظ	190

محدث عبید بن یعیش	190
حضرت امام ثعلب رحمۃ اللہ علیہ	190
حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ	191
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ	191
حضرت شاہ محمد اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ	191
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	192
شیخ بوعلی ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ	192
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ	192
امام ربانی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	193
شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	193
شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ	193
علامہ ابن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ	194
امام زہری رحمۃ اللہ علیہ	194
مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ	195
حضرت جی مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہما	195
مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	196
علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	196
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	197
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	197

☆☆☆

انتساب

بحمد للہ اسلام کے روشن چراغ جلد اول کا انتساب اور ثواب میں اپنے پردادا صاحب یعنی حضرت حبیب الامت عمت فیوضہم کے دادا خسر عالی جناب چھجو خان صاحب زمیندار مرحوم ومغفور بہادر پور کے نام معنون کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی غریبوں اور بے کسوں کی دل جوئی میں صرف کردی۔ اللہ تعالیٰ حضرت دادا صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو اپنی شایان شان بلند فرمائے۔ آمین!

خادم

محمد افضل ممتاز رحیمی

باغونوالی مظفرنگر یوپی

اپنی بات

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمُ . اَمَّا بَعْدُ

بحمداللہ کئی سالوں سے مستقل طور پر مجھ ناچیز کو حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد دریس حبان رحیمی عمت فیوضہم (خلیفہ ومجاز حاذق الامت حضرت مولانا حکیم زکی الدین احمد صاحبؒ خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامت جلال آبادیؒ) کی مجالس رحیمی میں شرکت کا موقع ملتا رہا، یہ اس عاجز کی خوش بختی ہے کہ آپ کی مجلس میں مختلف کتابوں سے منتخب کرکے سنائے جانے والے واقعات کو گاہِ گاہِ جمع کرکے یہ ذخیرۂ واقعات میں نے حضرت والا کو پیش کیا آپ نے نہایت مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔ فرمایا اس کو شائع کروتا کہ امت کے ان ''روشن چراغوں'' کی حقانیت سے آج کے عوام وخواص بھی مستفیض ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ واقعات کو حضرت والا کے لئے اور مجھ ناچیز کے لئے ذریعہ نجات بنائے اور عوام الناس کے لئے نافع بنائے۔ آمین ثم آمین!

خادم آستانہ حبیب الامت حفظہ اللہ

محمد افضل ممتاز رحیمی باغونوالی

ناظم دفتر دارالعلوم محمدیہ بنگلور

مورخہ ۱۸/ستمبر ۲۰۱۳ء

مطابق ۱۱/ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ بروز چہارشنبہ

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا عدل آج تک ضرب المثل ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لاگ سوجھ بوجھ باریک بینی اور محاسبۂ نفس کی ضرورت ہوتی ہے اسے خوب جانتے تھے۔ عدل کرنے میں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ بھی کوئی نرمی نہ برتتے تھے۔ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ جب مصر میں تھے، انہوں نے ابوسروعہ کے ساتھ نبیز پی جس سے ان پر نشہ طاری ہوگیا۔ وہ دونوں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کہ وہ ان پر حد جاری کردیں۔ ابن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑک کر نکال دیا۔ اس پر عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بولے: ''اگر آپ رضی اللہ عنہ نے حد جاری نہ کی تو جب میں والد (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤں گا یہ بات ان سے کہوں گا''۔ عمر بن عاص رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے حد نہ لگائی تو عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوں گے اور مجھے معزول کردیں گے، اس لئے وہ انہیں گھر کے صحن میں لائے اور ان پر حد لگائی۔ عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ گھر کی کوٹھری میں گھس گئے اور اپنا سر مونڈا عمر وبن عاص رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کو ایک حرف بھی نہ لکھا۔ مگر انہیں حضرت عمر

ؓ کا خط ملا جس میں عمرو بن عاص ؓ کو سرزنش کی گئی تھی کہ ''تم نے عبدالرحمٰن کو اپنے گھر میں تازیانے لگائے اور وہی سر مونڈا۔ حالانکہ تم جانتے تھے کہ یہ کام میری مرضی کے خلاف کر رہے ہو۔ عبدالرحمٰن تمہاری رعایا کا ایک فرد ہے، تمہیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے تھا جو تم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہو۔ لیکن تم نے سوچا کہ وہ امیر المومنین کا بیٹا ہے۔ حالانکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے نزدیک کسی شخص کے حق وصول کرنے میں رعایت ونرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس وقت میرا خط تمہارے پاس پہنچے اسی وقت اسے ایک ادنیٰ عبا پہناؤ اور کاٹھی پر بٹھا کر فوراً میرے پاس بھیج دو تا کہ وہ بدکرداری کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے''۔ عمرو بن عاص ؓ نے انہیں اسی طرح عمر بن خطاب ؓ کے پاس بھیج دیا۔ اور عمر ؓ کو معذرت نامہ لکھا کہ ''میں نے انہیں اپنے گھر کے صحن میں حد لگائی، میں ہر ذمی اور مسلمان کو اپنے گھر ہی میں حد لگاتا ہوں''۔ عمرو بن عاص ؓ نے یہ خط عبدالرحمٰن بن عمر ؓ کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن ؓ اپنے والد کے پاس لے جائے گئے۔ جب وہ ان کے سامنے پہنچے تو ادنی عبا ان کے جسم پر تھی اور سواری کی تکلیف سے وہ چل نہ سکتے تھے۔ ان کے والد نے پوچھا: ''عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے ان کی سفارش کی اور کہا: ''امیر المومنین! ان پر حد لگائی جا چکی ہے''۔ لیکن عمر بن خطاب ؓ نے ان کی بات پر دھیان دیئے بغیر ان پر دوبارہ حد لگوائی۔

حق پرستی کی اعلیٰ ترین مثال

حضرت عمر بن خطاب ؓ کا قول ہے: ''عوام میں اس وقت تک خرابی پیدا نہیں ہوتی جب تک انکے رہنما سیدھے رہتے ہیں۔ جب تک داعی اللہ کی راہ میں چلتا ہے رعایا اسکے پیچھے چلتی ہے لیکن جہاں اس نے پاؤں پھیلائے رعایا اس سے

پہلے پاؤں پھیلا دیتی ہے''۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ کا دور خلافت میں کوئی ایسا خلیفہ نہیں گزرا جس پر خدا نے اتنی برکت نازل فرمائی ہو جتنی حضرت عمر ؓ پر نازل کی۔ تمام خلفاء اور مصنف وعادل بادشاہ مل کر بھی وہ کام نہ کر سکے۔ جو حضرت عمر فاروق ؓ نے اکیلے انجام دیا۔ آپ ؓ عدل وانصاف، جرأت اور حق پرستی کی اعلیٰ ترین مثال تھے۔ آپ ؓ کی نظر میں ایک والی وحاکم بھی عام رعایا جیسا ایک فرد تھا جس قانون کا اطلاق اسی طرح ہوتا تھا جس طرح باقی لوگوں پر کسی عام شخص کی شکایت پر اگر عامل قصوروار ہوتا تو شریعت کے مطابق اس کو سزا دیتے۔ اگر جرم کی نوعیت سخت ہوتی تو اسے اپنے عہدے سے معزول کر دیتے۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں قضا کا سارا کام خود حضور اکرم ﷺ انجام دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے عہد میں یہ کام اپنے اور حضرت عمر بن خطاب ؓ کے درمیان بانٹ رکھا تھا۔ جب حضرت عمر ؓ کا زمانہ آیا تو فتوحات میں وسعت ہوئی۔ سلطنت کی حدود پھیلی تو نئے نئے مسائل بھی سر اٹھانے لگے جس کی وجہ سے حضرت عمر فاروق ؓ نے قضا کا کام بعض کبار صحابہ کرام ؓ کے سپرد کر دیا۔ (ماخوذ جسارت، کراچی)

☆☆☆

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ

دور نبوت کا آخری غزوہ، غزوہ تبوک تھا جو سن نو ہجری میں پیش آیا اس دوران نہایت پر آشوب حالات درپیش تھے۔ یہ غزوہ وفات نبوی ﷺ سے چند ماہ قبل پیش آیا، غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد نبی کریم ﷺ کی صحت مبارکہ متاثر ہونے لگی تھی اور آپ ﷺ کی عام صحت میں غیر معمولی انحطاط پیدا ہو رہا تھا یہ خبر جیسے مدینہ طیبہ میں عام تھی، بیرون ملک بھی اس کا چرچا تھا۔

جھوٹی نبوت کا دعویٰ

ملک یمن میں جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان میں بعض منافق صفات بھی تھے جن کا سرخیل اسود عنسی سمجھا جاتا تھا یہ ایک خبیث صفت انسان تھا ملک میں اس کی عام شہرت تھی، یہ وقوت وطاقت کے علاوہ دولت وثروت میں بھی ممتاز تھا، دل کا سخت، شعبدہ باز، زبان سحر بیان، فتنہ پرور انسان۔ مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ کی علالت کی عام اطلاع پر اس کے خبیث نفس نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ جلد اپنی نبوت کا اعلان کر دے۔ قبل اس کے کہ کوئی اور اپنا مقام حاصل کر لے، اس نے اپنی قوم میں اعلان

کر دیا کہ مکۃ المکرّمہ کا جانشین نبی میں ہوں، اللہ نے مجھ کو نبوت سے سرفراز کیا ہے جو مجھ پر ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔ مردود کذاب کا یہ اعلان اس کے چیلے چپاٹوں نے قبول کر لیا اور اس کی اشاعت میں سرگرم عمل ہو گئے، یہ عام لوگوں میں اعلان کر دیا تا کہ صبح وشام اللہ کی وحی نازل ہوتی رہے۔ مجھ کو مغیبات (پوشیدہ امور) کا علم دیا گیا ہے۔ عام لوگوں کی مشکلات کا علم اپنے کارندوں کے ذریعہ حاصل کرتا اور اپنے علم غیب کا دعویٰ کرتا پھر ان کی ضروریات ومشکلات میں مدد کرتا، اپنی قوت وطاقت سے مخالفت کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا، اس طرح مکر وفریب سے اپنی دعوت مضبوط کر رہا تھا۔ اس کا یہ فتنہ شہر صنعاء (یمن) سے نکل کر شہر حضر موت، عون، طائف، بحرین تک پھیل گیا، اس تحریک کی مخالفت کرنے والوں میں حضرت ابو مسلم خولانی سرفہرست تھے جن کی جدوجہد سے سینکڑوں مرتد اسلام میں واپس آ رہے تھے۔

ابو مسلم خولانی کی دعوتِ ایمانی

حضرت ابو مسلم خولانی اپنے ایمان وعمل میں نہایت مضبوط، حق کی تائید میں بے خوف، خطرات سے بے نیاز تھے، دنیا اور اس کی زیب وزینت سے انہوں نے منہ موڑ لیا تھا اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کی تائید ونصرت میں وقف کر دیا تھا۔ دنیائے فانی کو آخرت کے لئے چھوڑ رکھا تھا، عام مسلمانوں کے قلوب ان کی اس ہمت واستقامت سے متاثر تھے۔ طہارت نفس وتزکیہ نفس کے علاوہ وہ مستجاب الدعوات بھی مشہور تھے۔ اسود عنسی کذاب کو حضرت ابو مسلم خولانی کی مخالفت سے سخت اندیشہ ہو گیا کہ اس کی یہ تحریک ناکام ہو جائے گی، اپنے مددگاروں سے مشورہ کیا کہ ابو مسلم کا خاتمہ کس طرح کیا جائے، بعضوں نے مشورہ دیا کہ انہیں

قتل کر دیا جائے بعض نے کہا کہ شہر بدر کر دیا جائے اور بعضوں کا یہ مشورہ ہوا کہ انہیں سب کے سامنے ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ دوسروں کے حوصلے پست ہو جائیں اس کے لئے انہیں دہکتی آگ میں جھونک دیا جائے۔ کذاب کو یہی مشورہ پسند آیا کہ ابو مسلم کو آگ میں جھونک دیا جائے، چنانچہ شہر سے باہر ایک میدان میں آگ دہکائی گئی اور اعلان کیا گیا کہ سب لوگ ابو مسلم کا انجام دیکھیں گے، یقیناً وہ میری نبوت کا اعتراف کر لیں گے۔ جب آگ تیار ہوگئی اور اپنے شعلے شراروں سے بھڑک پڑی، کذاب اسود عنسی اپنے چیلے چپاٹوں، حشم وخدم، لاؤ لشکر کے ساتھ میدان میں آیا اور اس خیمے میں اپنے تخت پر بیٹھ گیا جو اس کی جھوٹی شان وآن کے لئے تیا کیا گیا تھا، پھر حضرت ابو مسلم خولانی کو طلب کیا جو زنجیروں میں پابقید تھے، جب وہ تشریف لائے تو کذاب نے متکبرانہ شان سے ان پر ایک نظر ڈالی پھر اس آگ کی طرف نظر کی، جس کے شعلے آسمانوں سے بات کر رہے تھے۔

حضرت ابو مسلم خولانی کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرح گفتگو کا آغاز کیا۔

اسود عنسی سے خولانی کا مکالمہ

کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟

حضرت ابو مسلم نے فرمایا: ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے سچے اور آخری نبی ورسول ہیں۔ پھر سوال کیا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ شیخ ابو مسلم نے فرمایا: میرے کانوں میں کچھ میل کچیل ہے، تیری بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ کذاب نے جھلا کر کہا میں تجھ کو اس دہکتی آگ میں جھونک دوں گا۔ شیخ ابو مسلم خولانی نے کہا اگر تو نے ایسا کیا تو میں آخرت کی اس آگ سے محفوظ ہو جاؤں گا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جس پر طاقتور سخت دل فرشتے

مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم کی ذرا سی سرتابی نہیں کرتے اور وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (سورہ تحریک:۶) کذاب نے سنبھل کر کہا۔ میں تجھ کو کچھ مہلت دیتا ہوں تاکہ تو جلد بازی میں اپنی ہلاکت کا فیصلہ نہ کر لے، ایک بار غور وفکر سے کام لے، کیا میں اللہ کا رسول نہیں ہوں؟ شیخ ابو مسلم خولانی نے فرمایا: میں نے تجھ کو کہہ دیا ہے کہ میرے کانوں میں کچھ میل کچیل سا ہے میں تیری بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔

اسود عنسی کذاب کو نصیحت

حضرت ابو مسلم کے اس پرسکون و پروقار جواب سے کذاب پاگل سا ہو گیا اور حضرت ابو مسلم کو آگ میں جھونکنے کا حکم دینے ہی والا تھا کہ اچانک اس کا ایک بزرگ دوست مجمع کو چیرتے پھاڑتے کذاب کے قریب آیا اور اسکے کان میں اس طرح گویا ہوا۔

اسود عنسی! تم خوب جانتے ہو کہ ملک یمن میں ابو مسلم خولانی ایک پاکیزہ خصلت، مستجاب الدعوات انسان مشہور ہیں اگر انہوں نے آگ میں اپنے رب کو پکارا اور یقیناً اللہ اس کی دعا قبول کر لے گا تو وہ آگ سے صحیح وسالم باہر نکل آئیں گے اس وقت تمہارا سارا کھیل ایک سکنڈ میں فنا ہو جائے گا اور لوگ یہ کرامت دیکھ کر اسی وقت تمہاری نبوت کا انکار کر دیں گے۔ اور اگر وہ آگ میں مر گئے تو لوگ ان کی جرأت واعتماد پر انہیں شہید کا خطاب دیں گے، ہر دو صورت میں وہ کامیاب رہیں گے، اب فکر تم کو کرنی ہے جلدی بازی سے کام نہ لو، بہتر ہے ابو مسلم کو آگ میں جھونکنے کے بجائے شہر بدر کر دیا جائے تاکہ لوگ ان کا ساتھ نہ دیں اور تم راحت پاؤ۔ لیکن شیطان نے کذاب کو غور وفکر کرنے کا موقعہ نہ دیا اور وہ اپنی ضد وعناد میں ابو مسلم خولانی کو بھڑکتی آگ میں جھونک دیا۔

ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ آگ سے زندہ سلامت نکل گئے

یہ کارروائی چند لمحات میں پوری ہوگئی ابھی مجلس برخاست بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ابو مسلم خولانی آگ سے ایسے صحیح وسالم باہر آتے نظر آئے گویا کسی باغ وبہار سے نکل رہے ہیں۔ حضرت ابو مسلم خولانی آگ سے باہر ہوکر سیدھے مدینہ طیبہ کی راہ پکڑلی تاکہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت پاک سے مشرف ہوں، سفر طویل وعریض تھا، منزل تک پہونچنے میں کئی دن صرف ہوگئے۔

سرکار دوعالم ﷺ کی وفات

مدینہ طیبہ ابھی دو ایک منزل باقی تھا کہ راہ میں اہل قبائل نے اطلاع دی رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خلیفہ مقرر ہو چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، دل پژمردہ ہوگیا، چلنے پھرنے حتی کہ بولنے کی طاقت کھو بیٹھے، حواس معطل ہوگئے، کئی دن راہ میں ایسے ہی پڑے رہے، جب طبیعت سنبھلی تو آگے کا قصد کیا۔ مدینہ طیبہ ایسے وقت پہونچے جب کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پوری ہوچکی تھی، اور نظام خلافت جاری وساری تھا، شیخ ابو مسلم خولانی نے حرم نبوی کے باہر اپنی اونٹنی کھڑی کی، مسجد نبوی ﷺ شریف میں داخل ہوئے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی پھر روضہ اقدس کے پاس آئے نہایت ادب واحترام سے السلام علیک یا رسول اللہ کہا۔ پھر دیر تک روتے رہے، فرض نماز کا وقت آگیا نماز ادا کی اور مسجد نبوی ﷺ کے ایک گوشے میں دیر تک نوافل پڑھتے رہے۔

نوارد مسافر پر سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی نظر جم چکی تھی، فراغت کے بعد قریب آئے، پوچھا تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو، کس سے ملنا ہے؟

نوارد مسافر نے کہا یمن کا باشندہ ہوں، زیارت نبوی ﷺ شریف کے لئے چلا تھا، درمیان راہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پاچکے ہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرکے واپس ہوجاؤں گا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ''فاروقی نگاہ'' نے کچھ بھانپ لیا۔

پوچھا، یہ تو بتاؤ اس جھوٹے نبی نے جس مسلمان کو آگ میں جھونک دیا تھا اس کا کیا انجام ہوا؟ (اس وقت تک مدینہ طیبہ میں جھوٹے نبی اسود عنسی کا وہ واقعہ عام ہو چکا تھا۔) نوارد مسافر نے کہا اس مسلمان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔ آگ نے اس پر کچھ بھی اثر نہ کیا، وہ کچھ ہی دیر بعد دہکتی آگ سے صحیح وسالم نکل آیا، یہ منظر دیکھ کر سینکڑوں مرتد لوگوں نے توبہ کی اور بے شمار انسان اسلام میں داخل ہوگئے۔

فراست فاروقی رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نوارد مسافر کو اللہ کا واسطہ دے کر کہا سچ بتادو کیا وہ شخص تم نہیں ہو؟

مسافر نے کہا الحمدللہ وہ میں ہی ہوں میرا نام ابو مسلم عبداللہ بن خولانی ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت عجلت میں انہیں گلے لگالیا اور خوشی میں زار وقطار رو پڑے، پھر انہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آئے، تعارف کروایا اور ان کی زبانی آگ والا واقعہ سنایا، سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی رو پڑے اور اتنے متاثر ہوئے کہ ابو مسلم سے خواہش کی کہ وہ ایک بار پھر سنائیں۔

اختتام پر سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی سے کہا کیا آپ کو علم ہے کہ کذاب کا کیا انجام ہوا؟ ابو مسلم نے فرمایا: یمن سے نکلنے کے بعد مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اس کذاب کو خود اس

کی قوم کے ہاتھوں قتل کروادیا اور اس کی قوت وطاقت کو پامال کیا، اس کی پیروی کرنے والوں ہدایت دی وہ سب ایمان واسلام کی طرف لوٹ آئے ہیں۔حضرت ابومسلم خولانی نے یہ انجام سن کر اللہ تعالیٰ کا اس طرح شکر ادا کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَخْرُجْنِیْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی قَرَّتْ عَیْنِیْ بِمِصْرَعِهٖ وَدَعْوَةُ الْمَخْدُوْعِیْنِ مِنْ اَهْلِ الْیَمَنْ اِلٰی اَکْنَافَ الْاِسْلَامِ.

ترجمہ: تمام تعریفیں اسی اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں جس نے زندگی ہی میں میری آنکھیں اس دجال کی ہلاکت سے ٹھنڈی کیں اور یمن کے مسلمانوں کو اس کے مکروفریب سے نجات دی۔اورانہیں دوبارہ اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اس طرح اللہ کا شکر ادا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرَانِیْ فِیْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُعِلَ بِهٖ کَمَا فَعَلَ بِخَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ اَبِیْنَا اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامِ . ترجمہ:اس ذات پاک کی حمدوثنا ہے جس نے مجھ کو اس شخص کی زیارت سے مشرف کیا جسکے ہاتھ سیدنا ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام جیسا معاملہ کیا گیا تھا۔

قیام مدینہ طیبہ

شیخ ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں غیر معمولی عزت ملی، بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی زیارت کیلئے آیا کرتے تھے، یہ اکثر اوقات لوگوں کے ہجوم میں گھرے رہتے تھے،خود حضرت ابومسلم خولانی بھی اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استفادہ کرنے ان حضرات کے گھر جایا کرتے تھے۔ان حضرات میں سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح، ابوذر غفاری، عبادۃ بن الصامت، معاذ بن جبل، عوف بن مالک رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں، ابومسلم خولانی نے ان حضرات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوار وحادیث شریفہ کا ذخیرہ محفوظ کرلیا اور مسجد نبوی شریف کو اپنی مستقل درسگاہ بنالی۔(از تاریخ اسلام) ☆☆☆

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کے فرض منصبی پر فائض ہونے کے بعد ہر کام کو پوری احساس ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ان میں سے ایک اہم ذمہ داری خدمت خلق تھی۔آپ کا یہ معمول تھا کہ اکثر بیشتر رات کے اوقات میں رعایا کے احوال وکوائف معلوم کرنے کے لئے گھر سے نکل جایا کرتے تھے اور جب عوام کے مسائل ومشکلات ان کے علم واطلاع میں آتے تو فوری طور پر اس طرح حل کردیتے کہ کسی پریشان حال اور مصیبت زدہ کو پھر کچھ بھی شکایت کا موقع باقی نہ رہتا۔

خدارسیدہ بیٹی

چنانچہ حسب معمول ایک مرتبہ رات میں گشت کرتے ہوئے ایک جگہ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گئے، کہ ایک گھر کے اندر سے ماں اور بیٹی کے درمیان ہورہی گفتگو آپ رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی۔ ماں اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ ابھی دودھ دودہ کر فروخت کرنے کے لئے جولایا گیا ہے اس میں پانی ملادو۔ بیٹی نے جواب دیا امی

جان! امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہدایت کردی ہے کہ دودھ میں پانی ملایا نہ جائے کہ وہ سراسر دھوکہ ہے۔ اس پر ماں نے کہا: بیٹی! امیر المومنین تھوڑے ہی یہاں موجود ہیں کہ ان کو ہمارے اس دھوکے کا پتہ چل جائے گا؟ بیٹی نے کہا: امی جان! یہ امیر المومنین کا حکم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جسے امیر المومنین نے اللہ کے بندوں تک پہنچایا ہے۔ امیر المومنین یہاں نہ رہے تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے وہ ہماری ہر بات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس لئے میں ہرگز دودھ میں پانی نہیں ملاسکتی۔ امیر المومنین ماں بیٹی کی گفتگو سن کر بہت متاثر اور خوش ہوگئے۔ اگلے دن اپنے فرزند عاصم کے لئے اس لڑکی کے گھر پیغام بھیجا کہ وہ اس لڑکی کو اپنی بہو بنالینا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی خوشی کی انتہا نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے منظوری دی۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد سادگی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عاصم سے اس دیندار لڑکی کا عقد مسنون ہوگیا۔

دینداری اور تقوی کی برکت

اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کو صاحب اولاد بنایا۔ ان کی ایک بیٹی سے عبدالعزیز بن مروان کا رشتہ ہوگیا اور انہیں اللہ تعالیٰ نے بیٹا عنایت فرمایا تو اس کا نام عمر رکھا گیا، اس طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمر اول تھے تو ان کے بیٹے عاصم کے نواسے عمر ثانی بن گئے۔ عبدالملک بن مروان بنوامیہ کے خلیفہ بنائے گئے تو عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر کا گورنر مقرر کیا، اللہ تعالیٰ نے عبدالعزیز بن مروان کو غیر معمولی دینی مزاج عطا کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت بھی دین وایمان کے پیکر میں ڈھل گئی۔ مصر میں جب ان کی تعلیم مکمل ہوگئی تو عبدالعزیز نے مبارک مقام اور صالح ماحول میں تربیت حاصل کرنے کے لئے عمر بن

عبدالعزیز کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ وہاں ان کو مسجد نبوی میں صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا، جو اس وقت مدینے منورہ کی جلیل القدر شخصیت تھی۔ صالح بن کیسان نے عمر بن عبدالعزیز کی جس طریقے سے دینی تربیت کی، اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز درس میں کسی قدر تاخیر سے پہنچے۔ استاذ نے دریافت کیا، تو بتایا کہ وہ سر کے بال سنوار رہے تھے، اس لئے ذرا سی تاخیر ہوگئی۔ اس پر استاذ نے ان کو کوئی جسمانی سزا دینے کی بجائے ان کے والد محترم عبدالعزیز کو شکایت روانہ کردی۔ شکایت سن کر باپ نے استاذ کی تربیت کے سلسلے میں اس طرح تعاون کیا کہ ایک نائی کو مصر سے مدینہ منورہ روانہ کردیا اور نائی کو ہدایت کردی کہ مدینہ پہنچ کر عمر بن عبدالعزیز کے سر کے پورے بال نکال دیئے جائیں اور بیٹے کو بھی تاکید کردی کہ پھر دوسری مرتبہ کسی بھی طرح درس کی حاضری میں تاخیر نہ ہونے پائے۔

زندگی میں صالح انقلاب پیدا ہوگیا

اس طرح مدینہ منورہ سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد عمر بن عبدالعزیز مصر واپس ہوئے۔ چونکہ ایک گورنر کے صاحب زادے تھے، اسلئے شاہانہ زندگی گزارنے لگے۔ عیش وعشرت کے پورے ساز وسامان موجود تھے۔ ہر رات اس وقت تک آرام کی نیند نہیں سوتے تھے، جب تک کہ پھولوں کا فرش ان کے بستر پر نہیں ڈال دیا جاتا تھا۔ ایک دن ایسا معاملہ پیش آیا کہ رات کے بستر کا انتظام کرنے والی خادمہ نے سوچا کہ میرے آقا ہر دن پھولوں کے فرش پر سوتے ہیں تو انہیں کتنی لطف اندوز نیند آتی ہوگی، یہ سوچتے ہوئے خادمہ بستر پر لیٹ گئی تو اسے قدر لذت محسوس ہوئی کہ اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نیند کے آغوش میں چلی گئی۔ عمر بن عبدالعزیز کسی قدر تاخیر

سے پہنچے تو یہ دیکھ کر غضب ناک ہوگئے کہ خادمہ ان کے بستر پر سو رہی ہے، غیض وغضب کے عالم میں انہوں نے خادمہ کو سخت سزا دی۔ اس پر خادمہ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ میرے آقا! میں تھوڑی دیر پھولوں کے بستر پر سوگئی اور بے اختیار میری آنکھ لگ گئی، تو اتنی سنگین سزا مجھے ملی، ذرا سوچئے کہ زندگی بھر جو اس بستر پر سوتا رہے ان کا انجام اللہ کے پاس کیا ہوگا۔ خادمہ کے اس سبق آموز جملے نے عمر بن عبدالعزیز کی زندگی میں صالح انقلاب پیدا کر دیا اور اسی وقت پھولوں کا بستر اٹھا کر پھینک دیا، ان کی زندگی یکسر بدل گئی اور وہ اسکے بعد معمولی اور سادہ بستر پر سونے لگے۔

سلیمان بن عبدالملک کے جانشین کی تلاش

یہ وہ دور تھا کہ دارالخلافہ شام میں سلیمان بن عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی، سلیمان کے بعد حکومت کے سلسلے میں ہشام بن عبدالملک بطور ولی عہد خلافت کے امیدوار تھے، لیکن سلیمان نے دیکھا کہ ہشام بن عبدالملک میں حکومت کا انتظام سنبھالنے کی کوئی صلاحیت باقی نہیں ہے، اس لئے اس نے اپنے بھائی ہشام کو خلیفہ مقرر کرنے کے بجائے یہ چاہا کہ کسی اور صالح شخصیت کو خلافت کے لئے منتخب کیا جائے۔ اس کے خصوصی مشیر رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ تھے، سلیمان نے ان سے مشہور کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کے بعد خلافت کے لئے اگر کوئی موزوں اور مناسب ہے اور امت کی صلاح وفلاح مطلوب ہے تو خلافت کے لئے آپ کے چچازاد بھائی او ربہنوئی عمر بن عبدالعزیز سے بہتر کوئی شخصیت نہیں ہے۔ رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشورہ سلیمان بن عبدالملک کو پسند آ گیا، اور ایک عہد نامہ تیار کیا، جس میں وصیت لکھ دی کہ سلیمان بن عبدالملک کے بعد عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے اور سب لوگ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں، پھر اس عہد نامے کو سربہ مہر لگا کر رکھ دیا، او

راعلان کر دیا کہ جب سلیمان بن عبدالملک کی وفات ہو جائے تو بند لفافہ کھولا جائے اور اس میں جس شخص کا نام ہو اسے خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔

چنانچہ سلیمان بن عبدالملک کے انتقال کے بعد جامع مسجد دمشق میں اہل حل وعقد اور عوام وخواص جمع ہوگئے، تو عمر بن عبدالعزیز کو بلایا گیا، ہشام بن عبدالملک بھی مسجد میں پہنچ گئے، سب کے سامنے بند لفافہ کھولا گیا اور نامزد خلیفہ کا نام پڑھا گیا تو ہشام کے بجائے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نام اس میں موجود تھا، جیسے ہی لوگوں کو اطلاع ہوئی تو سب خلافت کیلئے عمر بن عبدالعزیز کا نام دیکھ کر اس قدر خوش ہوگئے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جو ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سے زبردستی لاکر منبر پر بٹھا دیا گیا، اور لوگوں نے چاہا کہ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جب خلافت کی اطلاع دی گئی تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ رہے تھے اور ہشام بھی، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ رہا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز اس لئے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ رہے تھے کہ خلافت کی شکل میں امت کا ایک عظیم بارگراں ان کے سپرد کیا جارہا تھا، اور دوسری طرف ہشام بن عبدالملک اس لئے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ رہا تھا کہ خلافت کا منصب اس سے چھن گیا ہے اور اس سے اسے محروم ہونا پڑا ہے۔ جب لوگ عمر بن عبدالعزیز سے بیعت کرنے کیلئے آگے بڑھے تو انہوں نے کہا: ذرا میں بھی تو دیکھ لوں کہ عہد نامے میں کیا لکھا ہوا ہے؟

امت مسلمہ کے پانچویں خلیفۂ راشد

عہد نامہ دیا گیا اور انہوں نے دیکھا کہ سلیمان بن عبدالملک نے خلافت کیلئے اپنے طور پر ان کا نام لکھ دیا ہے جب کہ سلیمان بن عبدالملک کو انہیں نامزد کا کوئی حق نہیں تھا۔ اور عوام وخواص سبھی لوگوں سے فرمایا کہ عہد نامہ میں نے چاک کر دیا ہے

اور نامزد کردہ خلافت سے تم سب کو آزاد کر دیا ہے۔ لہٰذا تم سب کو میں اختیار دیتا ہوں کہ تم شریعت کے مطابق جس کو چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔ سب نے باتفاق آراء برضا و رغبت اعلان کیا کہ ہم آپ ہی کو خلیفہ منتخب کرنا چاہتے ہیں، صرف اتنا کہنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر سوائے ہشام بن عبدالملک کے سبھوں نے آپکے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ اس طرح شخصی حکومت کا جو طریقہ چلا آ رہا تھا وہ ختم ہو گیا، اور اس کے بجائے خلافت راشدہ کے طریقے پر عمر بن عبدالعزیز کی بھی خلافت منعقد ہو گئی اور آپ امت مسلمہ کے پانچویں خلیفۂ راشد بن گئے۔

نبوت و رسالت کا سلسلہ

جہاں تک نبوت اور رسالت کا تعلق ہے وہ مقررہ وقت سے شروع ہو کر محدود وقت پر ختم ہو گئی یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت و رسالت کا سلسلہ شروع ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جہاں سب سے پہلے نبوت و رسالت عطا فرمائی تھی، وہیں آپ خلیفہ بھی تھے، نبوت اور رسالت عطا کرنے کے باوجود ان کی خلافت ہی کا قرآن مجید میں اس طرح تذکرہ ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.

"یعنی یاد کرو اس وقت کو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتے کہنے لگے: کیا آپ اس میں ایسی مخلوق کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد پھیلائے گی اور خوں ریزی کرے گی، حالانکہ ہم

آپ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہیں، اور آپ کی پاکیزگی کا اظہار کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کہا میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں چار صحابہ کرام کو منصب خلافت کے لئے منتخب کیا گیا، تو پانچویں خلیفۂ راشدہ کو بھی کسی صحابی ہی کو منتخب کیا جا سکتا تھا، لیکن خلفاء راشدین اور پانچویں خلیفۂ راشد کے درمیان جہاں ایک طویل وقفہ رہا وہیں پانچویں خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صحابی نہیں بلکہ تابعی تھے۔

نبوت و رسالت کی متعین میعاد

اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت و رسالت کے لئے ایک متعین میعاد مقرر تھی، جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اور اختتام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو گیا۔ اس کے برخلاف منصب خلافت کیلئے کوئی میعاد مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور قیامت ہی کو ختم ہوگا۔ اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز جو بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے وہ خلفاء راشدین کے عہد خلافت راشدہ کے بعد جب کچھ وقفہ گزر گیا تو انہیں اسلئے خلیفہ راشد مقرر کیا گیا تا کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ خلافت راشدہ کا قیام اور اس کا نفاذ قیامت تک امت مسلمہ کی ذمہ داری اور اس کا فرض منصبی ہے، یہ الگ بات ہے کہ سعی اور جہد کے باوجود پانچویں خلیفہ راشد کے بعد آج تک خلافت راشدہ کا قیام عمل میں نہیں آ سکا۔ برائے نام خلافت کا جو سلسلہ چل رہا تھا، اگرچہ وہ بھی غنیمت تھا لیکن مغرب زدہ مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید خان کے بعد اس کا بھی خاتمہ کر دیا، جس پر پورا عالم اسلام پریشان ہو گیا، مگر ترکی کی خلافت ختم ہونے پر سب سے زیادہ برصغیر کے مسلمانوں کو دکھ ہوا۔ اس حادثے پر علامہ اقبالؒ کو پوری امت مسلمہ کی طرف سے اس طرح اظہار غم کرنا پڑا۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

ترکی کی خلافت ختم اور خلافت کمیٹی قائم

ترکی میں دوبارہ خلافت قائم کرنے کے لئے برصغیر میں بلاتفریق مسالک ہر مکتب فکر کے اکابر علماء نے متحدہ طور پر ایک تنظیم ''خلافت کمیٹی'' کے نام سے قائم کردی، جس میں یوں تو سارے ہی علماء کرام شامل تھے، لیکن نمایاں طور پر سب سے زیادہ اس کی رہنمائی اور سربراہی کرنے میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، اور علامہ اقبال وغیرہ شامل تھے، نہ صرف مردوں نے خلافت کمیٹی تحریک کو آگے بڑھانے اور فروغ دینے میں حصہ لیا بلکہ برصغیر کی خواتین بھی خلافت کمیٹی میں شامل ہوکر سرگرم عمل تھیں، اور ان خواتین کی رہبری مولانا محمد علی جوہر کی والدۂ محترمہ کررہی تھی جو پورے ملک میں بی اماں کے نام سے مشہور ہوگئی تھیں، خلافت کمیٹی کی ترقی اور کامیابی کے لئے بی اماں ملک کی دوسری تعلیم یافتہ خواتین کو بھی اپنے ساتھ پردہ کرتے ہوئے ملک کا دورہ کرتی تھیں، لیکن انگریز حکومت اور فرقہ پرست طاقتوں کے لئے خلافت کمیٹی کی تحریک ناقابل برداشت تھی، لہٰذا ان باطل قوتوں نے ہرطرح کی مخالفت کرکے اور سازش رچا کر کچھ عرصہ بعد اسے ختم کردیا۔ جو تحریک دوبارہ خلافت کے قیام کے لئے بڑی سرگرمی اور جوش کے ساتھ برصغیر میں شروع ہوئی تھی وہ آخر کار ختم ہوگئی، اس طرح عرصۂ دراز تک برائے نام جو خلافت رہی تھی، اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ خلافت کے تعلق سے یہ ایک ضمنی بات تھی جو نوک قلم پر آگئی، اب پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کے چند پہلوؤں کی طرف صرف اشارہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے

قیام میں اگرچہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شامل حال ہے لیکن اس کے ساتھ ہی چار افراد ایسے ہیں جن کی خدمات بھی پانچویں خلافت راشدہ کے سلسلے میں ناقابل فراموش ہیں، ایک تو پانچویں خلیفہ راشد کے والد محترم عبدالعزیز ہیں جن کی تربیت سے عمر بن عبدالعزیز پانچویں خلیفہ راشد بننے کے قابل ہوئے دوسری شخصیت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے مسجد نبوی میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت کا فرض انجام دیا۔ تیسری شخصیت رجاء بن حیوۃ کی ہے جن سے سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد خلافت کیلئے مشورہ لیا تھا۔ اور چوتھی شخصیت سلیمان بن عبدالملک کی ہے، جن کا احسان یہ تھا کہ اپنے بعد ہشام بن عبد الملک کو خلیفہ بنانے کے بجائے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ کیلئے عہد نامہ لکھ کر پانچویں خلیفہ راشد کے لئے راستہ ہموار کردیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کا اندازِ حکومت

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد دمشق سے جیسے ہی باہر نکلے انکے سامنے سواری کیلئے شاہی گھوڑا پیش کیا گیا، تو یہ کہتے ہوئے انہوں نے اس پر سوار ہونے سے انکار کردیا کہ میرے لئے میرا خچر ہی کافی ہے، جس پر میں ہمیشہ سوار ہوتا رہا ہوں، پھر ان سے کہا گیا کہ قصر خلافت پہنچ کر وہاں قیام فرمائیں، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میرے لئے میرا گھر ہی کافی ہے، جس میں اب تک میں ٹھہرا ہوا ہوں، پھر وہ اپنے گھر پہنچے اور اہل وعیال کو بتایا کہ مجھ پر پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ اب مجھے بالکل اسی طرح خلافت کا فرض منصبی ادا کرنا ہے جس طرح خلفاء راشدین انجام دے رہے تھے۔ انکی بیوی فاطمہ جو خلیفہ عبد الملک بن مروان کی صاحبزادی تھیں، جن کو شہزادی کہا جاسکتا ہے۔

جب فاطمہ کا عقد مسنون عمر بن عبدالعزیز سے ہوا تھا تو اس وقت باپ اور بھائیوں کی طرف سے ڈھیر سارے زیورات فاطمہ کو دئے گئے تھے جو ان کے اپنے ذاتی نہیں بلکہ بیت المال کے زیورات تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تم کو میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ سب زیورات بیت المال کو واپس کرنا ہوگا۔ فاطمہ نے پوری خوش دلی کیساتھ زیورات بیت المال کو واپس کر دیئے۔ نہ صرف اپنی بیوی کے زیورات آپ نے بیت المال کو واپس کئے بلکہ اپنے خاندان بنوامیہ کے جن لوگوں کے پاس بھی اموال مغصوبہ موجود تھے۔ وہ سب ان سے لے کر بیت المال میں داخل کرادیئے۔

عمر بن عبدالعزیز کو زہر دیدیا گیا

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان کے لوگ آپ کے مخالف اور دشمن بن گئے اور کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح آپ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس مقصد کیلئے آپ ہی کے ایک خادم کو استعمال کیا گیا، اس سے کہا گیا کہ وہ کسی مناسب وقت پر انکی غذا میں زہر ملادے اور اسکے عوض میں خادم سے کہا گیا کہ بہت ہی زیادہ معاوضہ دیا جائے گا۔ چنانچہ ملازم نے ان کی غذا میں ایسا زہر ملا کر انہیں کھلا دیا کہ جس سے آہستہ آہستہ کچھ تاخیر سے موت واقع ہوتی ہے۔ زہریلی غذا کھانے کے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ کی طبیعت بگڑنے لگی تو سمجھ گئے کہ انہیں زہر دیا گیا ہے اور اس کیلئے انکے خادم ہی کو استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ آپ نے خادم کو بلایا اور معاملے کی تعلق سے اس طرح حکمت کے ساتھ گفتگو کی کہ وہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگیا، پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کو اس کا معاوضہ کیا دیا گیا؟ اس نے بتایا کہ کچھ معاوضہ تو مل گیا ہے اور باقی معاوضہ آپ کی موت واقع ہونے کے بعد ملے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی عالی ظرفی اور اخلاق کی بلندی تھی کہ آپ خادم پر نہ صرف یہ کہ بالکل نہیں بگڑے بلکہ اس کیساتھ آپ نے یہ کہہ کر حسن سلوک کیا کہ میری موت کے بعد تم معاوضہ میں کچھ نہیں دیں گے، بلکہ تمہیں قتل کر دیں گے، تاکہ راز فاش نہ ہوجائے، اسلئے اگر تم اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو فوری طور پر کسی ایسے مقام پر چلے جاؤ جہاں میری موت کے بعد تم ان کی گرفت میں نہ آسکو، اس کیساتھ ہی خادم کے سفر کیلئے مناسب سفر خرچ بھی آپ نے دے دیا، اس طرح اپنی جان کے دشمن کو امن وسلامتی کے ساتھ دور دراز مقام پر روانہ کر دیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح تقریباً ڈھائی سال خلافت راشدہ کا نمونہ دنیا کو دکھا کر اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں پہنچ گئے۔ آپؒ کی شہادت کے بعد خلافت راشدہ کے قیام کا جو فرض ہے وہ امت مسلمہ پر قرض ہے۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ یہ قرض حسنہ ادا کرنے کا موقع امت مسلمہ کو کب عطا فرمائے گا اور امت مسلمہ اس ذمہ داری سے کب سبکدوش ہوسکے گی؟

☆☆☆

مفسر قرآن حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عزلت اور تنہائی کی زندگی بسر کرتے تھے۔آپ امراء اور سلاطین سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔لیکن اس کے باوجود اگر آپ کو کبھی اظہار حق کا موقع ملتا تھا تو بلا خوف وخطر اعلان حق کرتے تھے۔یزید بن عبدالملک کی خلافت میں خراسان اور عراق کا گورنر عمر بن ہبیرہ تھا۔اس کے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ایک دن اس نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر کہا: ''یزید بن عبدالملک اللہ کا خلیفہ ہے، اللہ نے اس کو اپنے بندوں پر اپنا نائب بنایا ہے۔ہم پر اس کی اطاعت فرض ہے۔آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے گول مول جواب دیا۔مگر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔اس پر ابن ہبیرہ نے کہا ''حسن! آپ بھی اپنا خیال ظاہر کیجئے''۔

اس کے اصرار پر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ابن ہبیرہ! یزید کے معاملے میں اللہ کا خوف کر اور اللہ کے معاملے میں یزید کا خوف نہ کر اس لئے کہ اللہ تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے۔لیکن یزید تجھ کو اللہ سے نہیں بچا سکتا۔اس وقت سے ڈر جو بہت قریب ہے، جب اللہ ایک فرشتہ بھیجے گا جو تجھ کو تختِ حکومت سے اتار کر اور

قصر شاہی کی وسعت سے نکال کر قبر کی تنگی اور اندھیرے میں ڈال دے گا۔اس وقت تیرے نیک اعمال کے سوا کوئی دوسرا تجھ کو نجات نہ دے سکے گا۔اللہ نے تم کو اپنے دین اور اپنے بندوں کی اعانت کے لئے بادشاہ بنایا ہے۔تم اللہ کی دی ہوئی حکومت کے ذریعے اس کے دین اور اس کے بندوں پر سوار نہ ہو جاؤ نیز ہم سے یہ امید مت رکھو کہ ہم اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کریں''۔(ابن خلکان جلد اول: ۱۲۸)

سلطنت اور امارت اکثر لوگوں میں تکبر اور غرور پیدا کرتی ہے۔لیکن اللہ کے حق گو بندے ایسے لوگوں کو ان کی اصلیت اور حیثیت کا اندازہ کراتے رہتے ہیں۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی لوگوں میں تھے۔ایک دن انہوں نے دیکھا کہ امیر ابن آہتم خوب رزق برق لباس پہنے اکڑتا ہوا جا رہا ہے۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اس کو ٹوکا:

''نادان! تو غرور سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا چل رہا ہے۔یہ بھی تو دیکھ کہ تیرے دنوں جانب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔کیا تو نے ان کا شکر ادا کیا ہے اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان کی تعمیل کی ہے، ان کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں کیا ان حقوق کو ادا کیا ہے؟ تیرا ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے۔تو شیطان کے بہکاوے میں آ کر ان کا کھیل بنا رہا ہے۔اللہ کے سامنے توبہ کر اس کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''زمین پر اکڑ کر مت چل اس لئے کہ نہ تو تجھ سے زمین ہی پھٹ سکے گی اور نہ ہی تو پہاڑوں کے برابر اونچا بن سکے گا''۔

اے ابن اہتم! تو اپنی جوانی اور جمال پر اکڑتا ہے مگر یہ سمجھ لے کہ تیرے اس حسین بدن کو مٹی چھپا لے گی۔سامنے صرف اعمال ہی رہیں گے''۔(انوار الازکیا)

☆☆☆

ام الخیر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

ایک حدیث ہے کہ انسان پہلے آسمانوں پر مقبول ہو لیتا ہے تب زمین پر مقبول ہوتا ہے۔.....جو شخص اپنی نیکیوں اور اعلیٰ صفات کی بدولت اپنے آپ کو رب کا مقبول بندہ ثابت کرتا ہے، اس کی تمام لوگ عزت کرنے لگتے ہیں اور وہ دنیا کا ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔ خدا کی مقبولیت اور دنیا میں ہر دل عزیزی نہ عقل سے حاصل ہوتی ہے، نہ حسن و جمال ملتی ہے اور نہ مال و دولت سے خریدی جاتی ہے نہ طاقت وقوت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس حصول کا ذریعہ صرف ایک چیز ہے نیکی اور تقویٰ و پرہیزگی اور نیکی میں حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ جس طرح تم اپنے محبوب کو چھپاتے ہو۔ آپ کہا کرتی تھے کہ ''میری جو نیکی ظاہر ہو گئی اسے میں اپنی نیکیوں میں شمار نہیں کرتی''۔ یہ نابغۂ روزگار ہستی پہلی صدی ہجری میں بصرہ کے مقام پر پیدا ہوئیں۔ علم و زہد، عبادت و ریاضت میں یگانہ روزگار تھیں۔ دنیائے اسلام میں ان کے بعد آج تک ان کے درجے کی خاتون پیدا نہیں ہوئی۔ آپ کو آدھی قلندر کہا گیا ہے۔ آ کو زہد و عبادت کی طرف فطری لگاؤ تھا۔ دن رات کی عبادت و ریاضت کی بدولت آپ ام الخیر کہلائیں۔

آپ کی پیدائش پر حضور ﷺ نے بشارت عطا فرمائی

آپ اپنے والدین کی چوتھی بیٹی تھیں اسلئے آپ کا نام رابعہ (چوتھی) رکھا گیا۔ حضرت رابعہ کے والدین بے حد مفلس تھے۔ جس رات حضرت رابعہ کی پیدائش ہوئی ان کے پاس بچی کو لپیٹنے کیلئے کپڑے کی ایک دھجی تک نہ تھی، دیا جلانے کیلئے تیل کا ایک قطرہ نہ تھا۔ حضرت رابعہ کی والدہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ ''آج بڑا مشکل وقت ہے آپ ہمسائے سے ایک کپڑا اور تھوڑا سا تیل ادھار مانگ لائیں''۔ حضرت رابعہ کے والد نے کہا نہیں نہیں ہمیں جو چیز مانگی ہے وہ اپنے رب سے مانگنی چاہئے۔ غیر اللہ سے مانگنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ حضرت رابعہ کی والدہ نے کہا جو ادھار ادا کرنے کی نیت سے مانگا جائے اس کیلئے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت رابعہ کے والد مجبوراً ہمسائیے کے گھر گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور بار بار دروازہ کھٹکھٹانے پر بھی کوئی جواب نہ پا کر دل شکستہ واپس لوٹ آئے۔ اسی رات خواب میں آپ کو رسول خدا ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے شخص! مایوس نہ ہو تمہاری یہ بیٹی یگانہ روزگار ہوگی۔ اس کی نیکی اور پرہیزگاری کے چرچے ہر جگہ ہوں گے۔ یہ لڑکی سیدہ ہے اور میری امت کے ستر ہزار آدمی اس کی سفارش سے بخشے جائیں گے۔

رابعہ بصری کی عبادت

حضرت رابعہ ابھی سن شعور کو نہیں پہنچی تھیں کہ آپ کے والدین رحلت فرما گئے۔ ان دنوں بصرہ میں سخت قط پڑا ہوا تھا۔ حضرت رابعہ کی بہنوں نے انہیں افلاس کے ہاتھو مجبور ہو کر ایک سنگ دل شخص کے ہاتھوں چند سکوں کے عوض بیچ دیا اور آپ ایک لونڈی کی طرح اس شخص کے گھر رہنے لگیں۔ آپ بچپن ہی سے بڑی

عبادت گزار تھیں۔ آپ اپنے آقا کے گھر سخت محنت ومشقت کرتیں لیکن زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی رہتا۔ جب مالک سوجاتا تو تمام رات یاد الٰہی میں گزار دیتیں اور دن میں روزہ رکھتیں۔ ایک رات اتفاقاً آقا کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ حضرت رابعہ سجدے میں پڑی گڑگڑا کر رو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں: اے مولا کریم! تو علیم وخبیر ہے تجھے معوم ہے کہ میں تیری عبادت کی کس قدر مشتاق ہوں لیکن دن کو مالک کی خدمت سے فرصت نہیں ملتی کہ میں اس کی زرخرید ہوں۔ یہ ماجرد یکھا تو حضرت رابعہ کے مالک کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے رات بڑی بے چینی سے کاٹی اور صبح اٹھا اور حضرت رابعہ کو آزاد کر دیا۔ حضرت رابعہ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اور شہر سے باہر خستہ حال مکان میں سکونت اختیار کر کے ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں۔

اکابر علماء اور مشائخ آپ کی خدمت میں

حضرت عبدہ جو بڑی نیک اور خاتون گذری ہیں آپ حضرت رابعہ کی دوست تھیں آپ بیان کرتی ہیں کہ حضرت رابعہ کا قاعدہ تھا رات بھر عبادت کرتیں اور بعد نماز فجر تھوڑی دیر کے لئے مصلے پر ہی سوجاتیں پھر صبح ہوتی تو بیدار ہو کر اپنے نفس کو ملاملت کرتے ہوئے پھر عبادت میں مشغول ہوجاتیں۔ آپ رات اور دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتیں۔ آپ کے یہاں بڑے بڑے نامور فقیہ، محدث، اولیا حاضر ہوتے اور علم وفضل سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مسائل دریافت کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کا لقب تاج الرجال تھا۔ زہد وعبادت سے آپ کو اوائل عمر سے ہی ایسا شغف ہوگیا تھا کہ آپ نے ساری زندگی شادی نہیں کی۔ ایک دفعہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ رابعہ کسی سے نکاح کر ڈالو۔ آپ نے فرمایا کہ نکاح ایسے شخص کے لئے

ضروری ہے جو اپنی ہستی اور وجود رکھتا ہو اور ذی روح نہیں ہوں بلکہ خدا کی مملوکہ ہوں۔ اس سے میرے متعلق گفتگو کرو۔ دراصل ایسی ترک الدنیا مریم خصائل بی بی کا دنیاوی تحقیقات میں پھنسنا بھی ناموزوں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت رابعہ کی خادمہ نے آپ سے عرض کی کہ بہار کا موسم آگیا ہے۔ حجرے سے باہر تشریف لا کر قدرت کی صنعت کا مشاہدہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے صانع کی حضوری اتنی فرصت کہاں کہ اس کی صنعت کا مشاہدہ کرتی پھروں۔

آپ اپنی حاجت اللہ کے سامنے ہی پیش کرتیں

حضرت رابعہ اس حد تک راضی برضا تھیں کہ بادشاہ، وزراء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے مگر آپ نے کبھی کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہ کی۔ ایک مرتبہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت آپڑی جو آپ کے پاس موجود نہ تھی کسی شخص نے کہا کہ فلاں آدمی کے ہاں کہلا بھیجیں مل جائے گی۔ حضرت رابعہ نے جواب دیا کہ ''دنیا کی کسی چیز کا سوال تو میں اللہ سے بھی نہیں کرتی جو سارے جہانوں کا مالک ہے تو ایسے شخص سے کیا کروں جو کسی چیز کا مالک نہیں ہے''۔ ایک دفعہ حضرت رابعہ کے ہاں کئی دنوں سے کھانا نہیں پکا تھا۔ کئی دن بعد کچھ ملا۔ خادمہ پکانے لگی تو پیاز کی حاجت ہوئی۔ اس نے آپ سے اجازت چاہی کہ کسی پڑوسی سے مانگ لاؤں۔ آپ نے فرمایا: ایک زمانہ گزرا اپنے سے یہ عہد کئے ہوئے کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں گی بلکہ خدا سے بھی نہیں سوائے اس کی رضا کے۔ ابھی آپ گفتگو فرما رہی تھیں کہ ایک پرندہ چند پیاز کی گٹھیاں اپنے چنگل میں لے کر آیا اور وہاں ڈال دیں۔ حضرت رابعہ نے یہ دیکھ کر ارشاد کیا میں شیطان کے دام سے غافل نہیں ہوں اور پیاز کی گٹھیوں کو وہیں چھوڑ کر صرف روکھی روٹی کھائی۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ محدث کہتے ہیں۔

میری حالت کا اللہ کو علم ہے

ایک مرتبہ میں رابعہ کے ہاں گیا تو دیکھا کہ جس ٹوٹے ہوئے کوزے میں پانی پیتی ہیں اسی سے وضو کر رہی ہیں۔ ایک پرانی چٹائی ہے جو مصلیٰ بھی ہے اور وہی بستر بھی ہے اور سرہانے تکیے کی جگہ اینٹ رکھی ہے۔ مجھے دیکھ کر رقت آئی اور میں نے آپ سے کہا کہ میرے بعض دوست دولت مند ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں ان سے سفارش کر کے آپ کے آرام کا کچھ بندوبست کروں۔ حضرت رابعہ نے کہا اے مالک! کیا میرے حال کو میرا رب نہیں جانتا؟ میں نے کہا بے شک وہ علیم وخبیر ہے۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ جس نے امیروں کو دیا ہے کیا وہ مجھے نہیں دے سکتا؟ میں نے کہا کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ فرمایا کہ پھر وہ جس حال میں رکھے ہم کو راضی رہنا ہے۔ حضرت رابعہ کبھی کبھار اپنے ہم عصر ولی اللہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس وعظ میں تشریف لے جاتی تھیں۔ حضرت حسن بصریؒ اس دن بڑے ذوق وشوق سے وعظ فرماتے اور علم ومعرفت کے دریا بہا دیتے۔ ایک دن لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ یا حضرت آپ اسی دن کیوں وعظ فرماتے ہیں جس دن حضرت رابعہ تشریف لاتی ہیں۔ حالانکہ مخلوق خدا کا تو ہمیشہ ہجوم رہتا ہے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو شربت ہاتھیوں کے برتنوں کیلئے ہوتا ہے وہ چیونٹیوں کے برتنوں میں نہیں ڈالا جاتا''۔

رابعہ بصری کا نادر جواب

ایک دفعہ بصرہ کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سوال کیا مردوں کو کیوں ایسے مرتبے حاصل ہیں جو عورتوں کو کبھی میسر نہیں آئے کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اور اسی لئے دو عورتوں کی گواہی ایک

مرد کے برابر ہوتی ہے۔ اور مرتبہ نبوت پر اللہ نے ہمیشہ مردوں کو ہی فائز کیا ہے او رعورتوں کو اس منصب سے محروم رکھا ہے۔ حضرت رابعہ نے جواب دیا کے تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی عورت نے آج تک خدائی کا دعویٰ کیا یہ بات صرف مردوں کے حصے میں آئی ہے اور پھر جتنے نبی، ولی، صدیق پیدا ہوئے ہیں وہ عورت ہی کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں او ران ہی کی گود میں تربیت پائی ہے کا عورت کا یہ مرتبہ کم ہے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ آپ کی بابت فرماتے ہیں کہ جب عورت راہ خدا میں مرد اور بہادر ہو تو اس کو عورت نہیں کہنا چاہئے۔

ایک دن کچھ لوگ حضرت رابعہ کے ہاں عبادت کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں عبادت الٰہی دوزخ کے خوف سے کرتا ہوں۔ دوسرا شخص بولا میں رب دو جہاں کی عبادت برکت کے حصول کیلئے کرتا ہوں۔ حضرت رابعہ نے فرمایا: اے میرے معبود! میں تیری عبادت جہنم کے ڈر سے کرتی ہوں تو نارِ جہنم کا لقمہ بنا دے۔ اگر میں تیری عبادت جنت کے لالچ میں کرتی ہوں تو تو مجھے اس سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دے اور اگر میں تجھ سے تیری ذات سے تیرے لئے محبت کرتی ہوں تو اے میرے مولا تو مجھے اپنے جمال ازلی سے محروم نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا جو بندہ خوف جہنم اور امید جنت کی وجہ سے بندگی کرتا ہے وہ بہت ہی برا ہے۔

جنت کی خواہش ہوتی تو

ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری علیل ہوگئیں۔ حاضرین نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جنت کی خواہش ہوئی تو میرا محبوب ناراض ہوا کہ تو نے میرے سوا کسی اور چیز کی تمنا کیوں کی۔ اس علالت کا سبب صرف ناراضگی محبوب ہے اور کچھ نہیں۔ لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کیسی ہے؟ حضرت

رابعہ نے فرمایا کہ بے حد مشکل لیکن محبت الٰہی نے مجھے دوستی خلق سے بے نیاز کر دیا ہے۔ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آیا جس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی آپ نے پوچھا کیا حال ہے؟ کہا سر میں سخت درد ہے۔فرمایا تمہاری عمر کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا تیس سال۔آپ نے پوچھا کیا کبھی پہلے سر درد ہوا ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا نہیں۔کہا کہ تیس سال کے عرصے میں کبھی میں نے تجھے شکر کی پٹی باندھے نہیں دیکھا آج ایک دن کے لئے درد ہوا تو شکایت کی پٹی باندھ لی۔پھر فرمایا کہ اگر راحت میں شاکر ہو تو تکلیف میں بھی صبر و رضا سے کام لو۔

چور ولی کامل بن گیا

ایک رات آپ عبادت الٰہی میں مصروف تھیں کہ ایک چور آیا اور آپکو عبادت میں مصروف پا کر دوسرے کمرے میں چلا گیا کہ جو کچھ ہاتھ لگے لے کر رفو چکر ہو جائے۔وہ دوسرے کمرے میں کسی کام کی چیز تلاش میں تھا۔آپ کو جب چوری کی موجودگی کا احساس ہوا تو آپ نے اپنے رب سے عرض کی کہ مولا! یہ شخص کوئی امید لے کر میرے گھر آیا ہے۔اسے معلوم نہیں کہ میرے گھر میں عشق الٰہی کے سوا کچھ نہیں یہ آس لے کر آیا ہے اسے میرے گھر سے ناامید، خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔ آپ کی دعا سے اس کا سینہ نور الٰہی سے منور کیا گیا۔ دل کی سیاہی دھل گئی۔وہ شخص کمرے سے باہر آ کر آپ کے قدموں میں گر گیا اور معافی مانگی۔آپ نے فرمایا تم میرے گھر سے کچھ لے جانے کی نیت سے آئے تھے جو کچھ میرے پاس تھا وہ تمہیں مل گیا اب جاؤ۔آپ کی دعا سے اسکے دل کی دنیا بدل گئی۔اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور بزرگی کے مرتبے تک جا پہنچا۔آپ فرماتی تھیں کہ زبان سے توبہ کرنا کاذب لوگوں کا فعل ہے کیونکہ اگر صدق دل سے توبہ کی جائے تو دوبارہ کبھی توبہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

جانور بھی آپ سے انسیت رکھتے

انسانوں کی محبت و عقیدت کے علاوہ جانور بھی آپ سے محبت کرتی تھیں۔ایک دن آپ جنگل میں تشریف لے گئیں تو وہاں تمام جانور آپ کے گرد جمع ہو گئے اسی وقت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وہاں آ نکلے۔آپ کو دیکھ کر تمام جانور بھاگ گئے۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ماجرا دیکھ کر حیرت سے آپ سے سوال کیا کہ یہ تمام جانور مجھے دیکھ کر فرار کیوں ہو گئے ہیں؟ اس پر حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے آپ سے پوچھا کہ آج آپ نے کیا کھایا ہے؟ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا گوشت روٹی۔یہ سن کر حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ جب تم ان کا گوشت کھاؤ گے تو پھر یہ تم سے کیسے مانوس ہوں گے اور محبت کریں گے۔

حضرت رابعہ بصری جب عشق الٰہی میں درجۂ کمال کو پہنچ گئیں تو آپ زیادہ خاموش ہی رہتی تھیں اور اگر کبھی ضرورت کے وقت گفتگو کرنی پڑتی تو صرف قرآن پاک کی آیات سے ہی اپنا مطلب بیان کرتی تھیں۔فرماتی تھیں کہ میں قرآن پاک کے الفاظ میں اسلئے گفتگو کرتی ہوں کہ فرشتے ان کی ہر بات لکھ لیتے ہیں اور جب وہ باتیں سارے نامۂ اعمال میں لکھیں تو وہ صرف قرآن پاک کی آیات ہی ہوں اور وہ کوئی ایسی بات نہ لکھ رہے ہوں جو میرے رب نے نہ فرمائی ہوں۔ایک بار آپ نے حج کا ارادہ کیا اور خچر پر سامان لاد کر روانہ ہوئیں۔راستے میں آپ کا خچر مر گیا۔قافلے والوں نے کہا کہ آپ کا سامان اٹھا لیتے ہیں آپ نے فرمایا تم اپنا راستہ لو تمہارے بھروسے پر نہیں آئی۔جب قافلے والے چلے گئے ں اور آپ ویرانے میں تنہا رہ گئیں تو خدا سے مناجات (شکوہ) شروع کی کہ الٰہی ایک غریب مسکین عورت کے ساتھ بادشاہ ایسا ہی کرتے ہیں۔تو نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔اور میرے گدھے کو

راستے میں مار کر مجھے جنگل میں تنہا کر دیا۔ ابھی آپ کی فریاد ختم نہ ہوئی تھی کہ خچر اٹھ کر کھڑا ہوا آپ نے اس پر سامان رکھا اور مکے کی طرف روانہ ہوئیں۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنی خادمہ حضرت عبدہ سے کہا کہ تم مجھے غسل دے کر اس جبہ (جس کو پہن کر رات کو عبادت کرتی تھیں) میں کفنا دینا۔ پھر آپ نے اپنے سرہانے موجود اکابر، مشائخ سے فرمایا کہ یہاں سے اٹھو اور خدا کے رسولوں کے لئے جگہ خالی کر دو۔ وہ سب اٹھ کر باہر چلے گئے تو اندر سے آواز سنی گئی، اے نفس مطمئنہ تو میری رحمت پر شاکر رہا اب دنیا سے اپنے پروردگار کی طرف رخصت ہو اس حال میں کہ خدا کی عطا و بخشش پر تو راضی ہے اور خدا تجھ سے راضی ہے۔ میرے صالح بندوں کے گروہ میں شامل ہو جا اور میرے مقربین کی معیت میں تو جنت میں داخل ہو۔ جب اکابرین اندر گئے تو آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت رابعہ کے وصال کی خبر جہاں جہاں پہنچی اک حشر برپا ہو گیا۔ لاکھوں افراد نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ آپ کا وصال ۱۳۵ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار بصرہ میں ہے۔

☆☆☆

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

ابو جعفر منصور عباسی دور کا دوسرا خلیفہ تھا۔ عباسی دور آنے تک خلافت عملی طور پر بالکل بادشاہت میں تبدیل ہو گئی تھی خلفاء بادشاہوں کی طرح شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ سے رہنے لگے تھے۔ منصور بھی اس طرح کی زندگی گزارتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ حج کو گیا تو ایک جم غفیر اس کے ساتھ گدھوں اور خچروں پر اس کے عیش کا سامان لدا ہوا تھا، بہت سے نوکر چاکر اور خدم و حشم ساتھ تھے۔

ایک دن جب وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو اس کی ملاقات مشہور بزرگ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہو گئی۔ منصور نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کا منہ کعبہ کی طرف کر دیا اور کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ''شیخ! آپ کو اللہ کے اس گھر کی قسم ہے، سچ سچ بتائیں آپ نے مجھ کو کیسا پایا؟

انہوں نے بے دھڑک فرمایا: ''مجھے اللہ کے اس گھر کی قسم میں نے تجھ کو بدترین مخلوق پایا'' منصور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی سے واقف تھا۔ ان سے ڈرتا بھی تھا۔ ایک دن اس نے شیخ کو محل میں بلوایا۔ انہیں خوش کرنے کیلئے کچھ انعام و اکرام پیش عرض کیا: ''سفیان آپ جو چاہیں مجھ سے طلب کریں۔ میں آپ کی

ہر خواہش پوری کروں گا''۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ابو جعفر اللہ سے ڈر۔ دنیا تیرے ظلم وستم سے بھر گئی ہے۔ مہاجرین وانصار کی تلوار نے دنیا کو فتح کیا اس تلوار کی بدولت ہی تو بادشاہت کی گدی پر بیٹھا ہے آج تو تمام عالم کا بادشاہ ہے۔ مگر انہی مہاجرین اور انصار کی اولاد بھوک سے مر رہی ہے اور تو عیش میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا دس درہم سے کچھ زیادہ خرچ ہوئے تھے تو اس کام کیلئے اس قدر دولت لئے پھرتا ہیکہ اس کا ڈھونڈنا بھی مشکل ہے''۔ (احیاء العلوم۔ الغزالی، ہمارے ولی)

حضرت سفیان ثوریؒ خلفاء امراء وسے بے تعلق رہتے تھے، دوسروں کو بھی ان سے بے تعلق رہنے کی تاکید کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا۔ میرے بھائی! امراء سے قرب اور ان سے میل جول نہ رکھنا تم سے کہا جائے گا کہ لوگوں کی سفارش کیجئے، مظلوموں کی دادرسی اور ظلم کو مٹانے کیلئے ایسا کام کرنا چاہئے تو یہ ابلیس کا فریب ہے۔ ان باتوں کو آج علماء نے امیروں کے قرب کا اور دینار کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اگر تم دیکھو کہ کوئی کسی بادشاہ سے چمٹا ہے تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے اور اگر دیکھو کہ امیروں کے دروازہ کا چکر لگاتا ہے تو وہ ریاکار ہے''۔ (طبقات الکبریٰ شعرانی جلد اول)

ایک بار ایک شخص کو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے امیروں سے زیادہ میل جول رکھنے پر تنقید کی تو وہ کہنے لگا: میں بچوں کی وجہ سے مجبور ہوں ان کی روزی روٹی کا سوال ہے۔ ''فرمایا ذرا دیکھو، یہ کہتا ہے کہ جب وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا۔ اور غیر اللہ کی اطاعت کرے گا۔ تو اللہ اسکے بال بچوں کو رزق دے گا اور جب اسکی اطاعت کرے گا تو وہ اسکے بال بچوں کو بے یارومددگار چھوڑ دے گا''۔ (طبقات الکبریٰ شعرانی جلد اول)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قال سے تو نصیحت کرتے ہی تھے وہ اپنے حال سے بھی نصیحت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب خلیفہ منصور حج کو گیا ہوا تھا تو انہوں نے سلیمان خواص سے کہا: ''چلو منصور کو نصیحت کی کوئی بات کریں۔ اگر اس نے ہماری

بات سے نصیحت پکڑی تو اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچے گا''۔ منصور اس وقت منیٰ میں تھا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پہونچے تو منصور بڑی شان وشوکت سے قالین پر بیٹھا تھا۔ ان کو دیکھ کر کہا ''شیخ ادھر آکر میرے پاس بیٹھو''۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے وہیں سے فرمایا بھلا میں اس چیز (قالین) پر کیسے قدم رکھ سکتا ہوں جو نہ آپ کی ملکیت ہے اور نہ آپ کے باپ کی''۔

منصور نے غلام کو حکم دیا کہ ''قالین وفرش ہٹادے''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ کے سامنے بیٹھ گئے اور یہ آیت پڑھی: **مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى** . یعنی اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس کریں گے اور پھر اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ:۵۵)

یہ آیت سن کر منصور کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ منصور کو نصیحت کرنا شروع کیا۔ ان کی آواز منصور کی خودرائی اور جبر وتشدد کی پرواہ کئے بغیر اتنی تیز ہوگئی کہ لگتا تھا گویا وہ اس کو ڈانٹ رہے ہیں۔ (تبع تابعین جلد اول) خلیفہ منصور اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات پسند نہ کرتا تھا۔ جب اس نے کئی بار دیکھا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کو بغیر لحاظ پھٹکار لگاتے ہیں تو وہ ان سے ناراض ہوگیا۔ جب وہ آخری حج کے لئے بغداد سے روانہ ہوا تو مکہ پہونچنے سے پہلے ہی یہ حکم جاری کیا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جہاں ہیں ان کو گرفتار کرکے پھانسی دیدی جائے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مکہ ہی میں تھے۔ حضرت فضیل بن عیاض اور سفیان بن عینیہ نے ان کو خبر دی کہ ان کی پھانسی کی تیاریاں پوری ہوچکی ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ خانہ کعبہ میں گئے اور کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی: ''اے اللہ منصور کعبہ میں داخل نہ ہونے پائے''۔

ابھی منصور راستہ میں بیر میمون میں ہی تھا کہ (۱۵۸ھ، ۷۷۴ء) میں اس کا انتقال ہوگیا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو ظاہری اور باطنی علوم پر کافی دستر حاصل تھی۔ آپ کے علم سے بہت سے مشائخ نے فیض حاصل کیا۔ آپ امیروں اور بادشاہوں سے بڑے بے واسطہ رہتے تھے۔ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن دینی اور شرعی معاملات میں آپ کی پکڑ بڑی سخت رہتی تھی۔ بڑے سے بڑے شخص کو بھی بلا تکلف ٹوک دیتے تھے۔ تذکرۃ الاولیاء میں خواجہ فرید الدین عطا نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے نماز میں اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر لیا آپ نے اس سے فرمایا: ''ایسی نماز بے حقیقت ہے۔ قیامت کے دن تیری نماز تیرے منہ پر ماردی جائے گی''۔

خلیفہ کو یہ بات بہت ناگواری ہوئی۔ اس نے تلخ انداز میں کہا ''خاموش رہو'' فرمایا: ''حق بات کہنے میں خاموشی کیسی''۔

جب خلیفہ مہدی خلافت کی گدی پر بیٹھا تو بڑا جشن منایا تمام مملکت سے مبارک باد کے پیغام وصول ہوئے۔ حکومت کے بڑے بڑے لوگ۔ علماء، محدثین اور صوفیاء سب اس کو مبارک باد دینے پہنچے لیکن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے دربار میں نہیں پہنچے اور نہ ہی کسی کے ذریعہ مبارک باد بھیجی۔ خلیفہ مہدی نے جب دیکھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے دربار میں نہیں پہونچے تو اس نے ایک خط لے کر قاصد کو انکے پاس بھیجا۔ خط میں لکھا تھا۔ ''بھائی سفیان کے نام! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنایا ہے، میری اور آپ کی دوستی بہت زمانہ سے ہے۔ سب لوگ خلافت کی مبارکبادی دینے آئے۔ بس اگر کوئی نہ آیا تو آپ نہ آئے۔ میرے بھائی جو بھی دوست مجھ سے ملنے آئے میں نے انہیں بہت سے انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ پتہ نہیں کیا وجہ ہے کہ آپ نہیں آئے؟ میں خود آپ کے پاس آتا اگر یہ امر بادشاہ کی شان کے خلاف نہ سمجھا جاتا۔ خط کے جواب میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو سخت باتیں خلیفہ کو لکھیں ان سے ان کی بے خوفی

و بے باکی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے لکھا: ''مہدی! تو نے خط میں خود تسلیم کیا ہے کہ بیت المال کی رقم سے انعام واکرام دے کر قوم کی دولت کو اپنی عزت اور شہرت کیلئے خرچ کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ قیامت کے دن میں بھی تیرے اس بے جا خرچ کی شہادت میں پیش ہوں، مہدی! تجھے اللہ کے سامنے جواب دینے کو تیار رہنا چاہئے۔ تو خلافت کی گدی پر بیٹھا ہے۔ قیمتی کپڑے پہنتا ہے۔ تیرے دروازے پر چوکیدار پہرہ دیتا ہے۔ تیرے ارباب حکومت گورنر، کمشنر مجسٹریٹ وغیرہ خود شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے کے جرم میں سزا دیتے ہیں۔ خود زنا کا ارتکاب کرتے ہیں اور دوسروں پر حد جاری کرتے ہیں۔ خود چوریاں کرتے ہیں اور دوسروں کا ہاتھ کٹواتے ہیں، ان جرائم پر پہلے تجھے اور تیرے ارباب حکومت کو سزا ملنی چاہئے پھر دوسروں کو۔

مہدی! اچھی طرح سمجھ لے جلدی وہ دن آنے والا ہے جب تیرے ہاتھ بندھے ہوں گے، تیرے یہ خوشامدی اور ظالم افسر تیرے پیچھے ہوں گے۔ تو ان سب کا پیشوا بن کر دوزخ کی طرف ہانک دیا جائے گا۔ میں نے تیری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اب مجھے پھر کبھی خط نہ لکھنا۔

مہدی نے یہ خط پڑھا تو بہت متاثر ہوا۔ وہ دیر تک آنسو بہاتا رہا۔

منصور عباسی کے بعد اس کا بیٹا مہدی تخت پر بیٹھا تو اس سے بھی ملنے نہیں گئے۔ اس کے بلوانے پر بھی نہیں گئے۔ بلکہ الٹی اسی کو پھٹکار لگادی۔ مہدی ان کا بہت احترام کرتا تھا اس لئے وہ ان کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ لیکن کچھ دن کے بعد قضا کا عہدہ دینے کے لئے اس نے زبردستی میں دربار میں بلوایا۔

جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دربار میں مہدی کے سامنے پیش کئے گئے تو انہوں نے کسی طرح کے شاہی آداب نہیں برتے صرف سلام مسنون کہہ کر بیٹھ گئے۔ خلیفہ مہدی نے کہا! ''سفیان! آپ ہم سے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور سمجھتے ہیں

کہ میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ دیکھئے اب آپ میرے قبضہ میں ہیں، جو حکم آپ کے خلاف چاہوں دے دوں'' حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ''جو حکم آپ میرے بارے میں دیں گے وہی حکم اس قادر مطلق کی جانب سے آپ کے بارے میں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے سے حق و باطل میں امتیاز کر دے گا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس سخت جواب پر وزیر ربیع بن یونس بہت ناراض ہوا اور ان کے قتل کے لئے خلیفہ سے اجازت چاہی۔ خلیفہ مہدی نے وزیر کو ڈانٹا اور کہا ایسے بزرگوں کا قتل کر کے ان کی خیر و برکت سے محروم ہو جائیں گے۔ پھر کوفہ کے عہدۂ قضا کا پروانہ لکھ کر ان کے سپرد کر دیا۔ لیکن انہوں نے اس پروانہ کو پھاڑ کر دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور خود کہیں چھپ گئے۔ پھر کبھی مہدی کے ہاتھ نہ آئے۔ (مروج الذہب جلد نمبر:٦)

زندگی الفت کی درد انجامیوں سے مری
عشق کو آزاد دستور وفا رکھتا ہوں میں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

☆☆☆

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

ابراہیم بن بشارؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ و مخدوم حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے زیادہ سخت جہاد یعنی مجاہدہ والا عمل تو وہ خواہشات سے جہاد ہے جس نے اپنے نفس کو خواہشات ممنوعہ سے بچا لیا تو دنیا اور اسکی بلاؤں اور پریشانیوں سے نجات پا گیا اور اسکی کلفتوں سے بچ گیا۔ سبحان اللہ العظیم کس قدر نصیحت والا کلام ہے اور عارفانہ گفتگو ہے، بالکل حقیقت ہیکہ دنیوی مصائب و آلام، نزاعات اور الجھنوں کا سب سے بڑا سبب اور ذریعہ خواہشات نفس ہیں، کبھی نفس مال کا خواہش مند ہوتا ہے پھر حلال و حرام کا فرق بھی نہیں کرتا اور کبھی شہوات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بڑے سخت عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اللہ کی پناہ، یہ سب نفس کی غلامی کے سبب ہوتا ہے اور ایسا انسان بندہ ہوئی، بندہ نفس کہلاتا ہے ہر مال اور خواہشات کی تکمیل اس کا مقصد بن جاتا ہے۔ نیز ایک موقع پر فرمایا کہ اے دوست انجام کی فکر کر کہ کیا ہونے والا ہے، سب کچھ یہیں چھوٹ جائے گا اور تو بالکل خالی ہاتھ جائے گا اور یہ سب برحق ہے اور جو کچھ عمر عزیز گذر چکی ہے اس میں غور و فکر کر کے دیکھ اور فیصلہ کر، کیا تجھ کو یہ اعتماد و یقین ہے کہ تو اس گذری ہوئی عمر میں کئے گئے اعمال سے

نجات پا سکے گا اور عذاب الٰہی سے بچ اور چھوٹ جائے گا؟ پھر اگر تجھکو ایسا یقین ہے تو اور زیادہ ہلاکت ہے اور تو ان لوگوں میں سے ہو جائے گا کہ جو برائیوں کے باوجود مطمئن تھے اور خواہشات کی دلدل میں پھنسے رہے یہاں تک کہ عذاب الٰہی میں گرفتار کر لئے گئے، جہاں سوائے ندامت اور حسرت وافسوس کے کچھ بھی نہیں ملتا۔

خالد بن صفوان کی نصیحت

نیز ابراہیم بن بشارؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہ نے حضرت خالد بن صفوانؒ سے عرض کیا کہ حضرت مجھے نصیحت فرمایئے جو جامع اور مختصر ہو، اس پر حضرت خالد بن صفوانؒ نے فرمایا کہ اے میر المومنین بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ پاک کی پردہ پوشی نے غرور اور دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے اور لوگوں کی تعریف وتوصیف نے ان کے باطن کو تباہ کر دیا ہے، لہٰذا دوسروں کی جہالت اور خوش کن تعریفی وتوصیفی کلمات سے ہرگز ہرگز مغرور نہ ہونا چاہئے، جو کچھ آدمی اپنے بارے میں جانتا ہے وہ اصل ہے، اس پر رب تعالیٰ شاہد ہیں ان سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے، اللہ پاک اس سے ہماری حفاظت فرمائے کہ ہم دوسروں کی تعریف سے مسرور ہو جائیں، اور اللہ پاک کی پردہ پوشی سے مغرور ہو جائیں اور جو ہمارے فرائض وواجبات ہیں ان سے ہم پیچھے رہ جائیں اور خواہشات کی اتباع وتقلید سے محفوظ رکھے۔

اللہ سے امیدیں وابستہ رکھو

ابوجعفر السروجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے اپنے بعض دوستوں کو لکھا اور کیا خوب لکھا اور واقعی وہ اس کے اہل تھے، کیونکہ خود عامل تھے اسلئے

کلام میں اثر تھا، بخلاف ہمارے بہر حال لکھتے ہیں کہ اے برادر تقویٰ اختیار کرو اللہ پاک کی معصیت ونافرمانی جائز نہیں ہے اور ان کے علاوہ کسی اور سے امید رکھنا بھی درست نہیں ہے۔ لہٰذا بس انہیں سے امیدیں وابستہ رکھو، جو اللہ پاک سے ڈرتا ہے وہ قوی ہو جاتا ہے اور عزت والا بھی اور اس کا پیٹ بھی بھر جاتا ہے اور وہ سیراب بھی ہو جاتا ہے اور اس کی عقل کھل جاتی ہے اور دنیا سے بلند ہو جاتی ہے، بظاہر اس کا بدن دنیا والوں میں نظر آتا ہے مگر قلب وجگر آخرت کے معائنہ میں رہتا ہے، لہٰذا اس کے قلب کا نور اور اشراق باطنی اور توجہ الی اللہ کی برکت سے دنیا کی محبت اور اس کی لذات کو ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا وہ محرمات سے بچتا ہے اور شہوات سے دور رہتا ہے اور مال حرام تو کہاں مال حلال میں بھی تقلیل کرتا ہے، ہاں مگر ضروریاتِ زندگی میں بقدر ضرورت اس سے استعمال کرتا ہے جس سے اپنی پشت مضبوط رکھ سکے اور اتنے کپڑے کہ بدن چھپا سکے اور سیدھا سادہ کھانا وغیرہ استعمال کرتا ہے اور اس کا بھروسہ فقط اللہ پاک پر رہتا ہے اور امیدیں صرف انہی سے وابستہ رکھتا ہے اور جملہ مخلوق سے اپنا اعتماد اور بھروسہ ختم کر لیتا ہے اور بس اس کا کلی اعتماد وتوکل خالق باری تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے، اسی کے لئے کوشاں رہتا ہے اور آخرت کے لئے ہی اس کی فکر اور لگن ہوتی ہے اور اس کو اپنی منزل تصور کرتا ہے، لہٰذا اے برادر! دنیا کی محبت کو ترک کر دے اور آخرت کے لئے ذخیرہ تیار کر کے رکھ کیونکہ دنیا کی محبت ذلیل وخوار کرتی ہے، لوگ انہیں دنیوی تمناؤں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ وقت آجاتا ہے اور ظلمت کدہ یعنی قبر میں پہنچ جاتا ہے۔ (کذا فی حلیہ: ج:۸)

☆☆☆

طبیب اعظم بوعلی سینا رح

ابوعلی الحسین کو اسلامی دنیا میں ایک کلچرل ہیرو ہونے کے ساتھ ساتھ گزشتہ ایک ہزار سال کے عرصہ میں اسلام کا سب سے عظیم فلاسفر اور ماہر طب بھی تسلیم کیا جاتا ہے، مشرق میں آپ کو ایک کامیاب حکیم مانا جاتا ہے۔ ایسا حکیم جو انسانوں کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا بھی علاج کرے جن ممالک میں آج بھی جہاں یونانی طریقہ علاج کا رواج ہے، وہاں ابوعلی سینا ایک روشنی کے مینارہ کی حیثیت میں کھڑے نظر آتے ہیں، مغربی دنیا ان کی کتابوں کی وجہ سے ان کا لوہا مانتی ہے۔ ابوعلی سینا (ابن سینا) کی پیدائش بخارا کے نزدیک افشانہ کے مقام پر ۹۸۰ء میں ہوئی، آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔

جو ایران کے شہر بلخ کے رہنے والے تھے، ابن سینا نے اپنے استاد ابوعبداللہ نطالی سے منطق۔ جیومیٹری اور علم ہیئت کا علم سیکھا، مگر جلد ہی اپنے استاد کو ان علوم میں پیچھے چھوڑ گئے۔ اسکے علاوہ آپ نے بہت کچھ خود مطالعہ کر کے سیکھا۔ جب آپ نے زندگی کے سترہویں زینہ پر قدم رکھا تو آپ کی شہرت بحیثیت معالج کے چار دانگ عالم میں پھیل چکی تھی، جب سلطنت سامنید کا حکمراں علیل ہوا تو اس کے علاج کے لئے

آپ کو بلایا گیا اور وہ آپ کے علاوہ سے شفایاب ہو گیا، ابھی آپ اکیس سال کے نہ ہو پائے تھے کہ آپ نے میڈیسن اور فلاسفی پر چند ایک ضخیم کتابیں تحریر کیں، نیز ایران کی مختلف ریاستوں کے فرمانرواؤں کے درباروں میں بطور شاہی طبیب کے خدمات سرانجام دیتے رہے، اگر چہ بعض امرائے وقت نے آپ سے برا سلوک کیا حتی کہ آپ نے کچھ عرصہ جیل میں بھی گزارا مگر ہر کس و ناکس اطباء، علما اور دانشور آج بھی آپ کو ''طبیبوں کا شہزادہ'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، آپ کو الشیخ الرئیس، اور حجۃ الحق کے لقبوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ پیدائشی علم کے دلدادہ تھے۔

بوعلی سینا کی تصنیف

آپ کی خوش قسمتی کہ آپ کے والد نے آپ کے حصول علم میں بہت دلچسپی لی، آپ کے والد کا گھر عالم فاضل لوگوں نیز وقت کے دانشوروں کا مرجع عام تھا۔ علماء دور و نزدیک سے علمی امور پر تبادلہ خیال کے لئے آپ کے گھر آتے تھے دس سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور ساتھ ہی گرامر پر عبور حاصل کر لیا اس کے بعد آپ نے فزکس اور میڈیسن کا سیر حاصل مطالعہ کیا جب آپ سولہ سال کے ہوئے تو آپ اپنے وقت کے تمام سائنسی علوم پر عبور حاصل کر چکے تھے۔

آپ نے ارسطو کی کتاب ''میٹا فزکس'' کا کئی بار مطالعہ کیا مگر اس کو سمجھنے میں آپ کو دقت ہوئی۔ قسمت سے آپ کے ہاتھ الفارابی کی کتاب جو مابعد الطبیعات پر فی الحقیقت تفسیر تھی لگ گئی جس کے مطالعہ کے بعد آپ نے اس مضمون پر بھی عبور حاصل کر لیا۔ سن رسیدگی میں آپ نے اپنے ہر دلعزیز شاگرد الجرجانی سے ذکر کیا کہ اٹھارہ سال کی عمر کے بعد آپ نے کچھ بھی نیا نہ سیکھا۔

علم طب پر مکمل دسترس

علم طلب پر مکمل دسترس ہونے کے باعث حکمران وقت آپ کا گویا مرید تھا شاہی محل کی لائبریری کے دروازے آپ پر ہر وقت کھلے رہتے تھے، سینٹرل ایشیا میں سیاسی حالات اس وقت ایسے تھے کہ محمود غزنوی کی حکومت نے ابوعلی سینا کے صوبہ میں لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ لہٰذا آپ بخارا سے ہجرت کر کے جرجانیہ کچھ عرصے کے لئے قیام پذیر ہو گئے۔ زندگی کے یہ ایام آپ کے لئے بہت عسرت کے تھے۔ ۱۰۱۲ء میں آپ ریگستان کے صحرا کو پیدل عبور کر کے خراسان پہنچے۔ اس اذیت ناک سفر میں آپ کے بہت سے ساتھی لقمہ اجل بن گئے جرجان کے شہر میں ایک نامی گرامی شخص ''بوس ابن وش مگھیر'' علماء کا بہت سرپرست تھا آپ اس امید پر آئے تھے کہ اس کے زیر سایہ کچھ عرصہ گزر جائے گا مگر وائے افسوس کہ علماء کا یہ کفیل دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ ''رائے'' میں ورود آپ وہاں سے مایوس و ناامید ہو کر ۱۰۱۴ میں ''رائے'' (طہران) شہر چلے گئے۔

آپ کی صحت خراب ہوگئی، یہاں دو سال قیام کیا، ان دنوں وہاں ''بوید'' خاندان حکمران تھا ابن سینا نے حکمران شہر فخر الدولہ کے دربار میں چند سال گذارے مگر جلد ہی ہمادان چلے گئے۔ جہاں شمس الدولہ حکمران تھا جب آپ یہاں وارد ہوئے تو کچھ روز بعد وہ بیمار ہو گیا مگر آپ کے علاج سے شفایاب ہو گیا۔ یوں دربار میں ابن سینا کی بہت پذیرائی ہوئی اور آپ کو وزیر بنا دیا گیا وزارت کا بھاری عہدہ آپ کے کندھوں پر کئی سال رہا، جب حکمران وقت داعی اجل کو لبیک کہہ گیا تو آپ نے وزیر بننے سے انکار کر دیا۔ جس پر آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، بالآخر ایک درویش کے لباس میں روپوش ہو کر فرار ہو گئے۔

آپ کی معرکۃ الآرا کتابیں

رصدگاہ کی تعمیر کا پلان، ہمادان سے فرار ہو کر آپ اصفہان پہنچے۔ جوان دنوں علم و حکمت کا مرکز تھا۔ یہاں کا سربراہ مملکت علاؤالدولہ تھا جس سے آپ کے خوشگوار تعلقات قائم ہو گئے۔ اور آپ نے یہاں امن و سکون میں پندرہ سال گزارے۔ اس عرصہ میں آپ نے بہت سی معرکۃ الاراء کتابیں تحریر کیں علم ہیئت کا مطالعہ کیا اور ایک رصدگاہ کی تعمیر کا پلان اور بہت ساری کتابیں تحریر کیں جو صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئیں اس بات کا آپ کو سخت قلق تھا اور آپ پر قولنج Colic کا حملہ ہوا آپ ہمادان واپس تشریف لے گئے۔ جہاں ۱۰۳۷ء میں آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، آپ کا مقبرہ یہاں اب بھی ہے۔

آپ زندگی میں بہت سارے شہزادوں اور سربراہان مملکت کے ذاتی معالج رہے۔ زندگی میں بہت اونچ نیچ آئے خوشی کے دن بھی دیکھے تو سب و شتم بھی، بعض دفعہ امارت کا تو یہ حال تھا کہ حکومت کا انتظار و انصرام آپ کے ہاتھ میں تھا آپ نے حکمرانی بھی کی مگر اس کے باوجود وقت ملا تو علمی و ذہنی کاوشوں میں گزارا، بعض دفعہ ساری رات دعوت و طعام میں گزارتے اور رات ڈھلنے کے وقت فلاسفی یا طب کے پیچیدہ نکات پر لمبے مضامین تحریر کرتے۔ ان میں کہتانی ''حی ابن یرقان'' قابل ذکر ہیں ڈانٹے کی کتاب پیراڈائز لاسٹ اس کی نقل ہے۔

فلسفہ کے میدان میں شہہ سوار تھے

مذہب کے موضوع پر آپ نے بہت خاص عنوانات پر قلم اٹھایا جن میں قسمت اور فری ول قابل ذکر ہیں نیز انہوں نے قرآن کریم کی بہت ساری سورتوں

کی تفسیر لکھی ان تفاسیر میں آپ نے عقل اور الہام میں مطابقت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جس کی بنیاد اس سے پہلے الکندی اور الفارابی رکھ چکے تھے۔

الکندی کی طرح ابن سینا بھی فری تھنکر تھے۔ آپ عقل کی فوقیت پر یقین رکھتے تھے۔ ہمادان میں جب آپ وزیر تھے تو ایک مذہبی مسئلہ پر آپ کا فوج کے افسران سے تنازعہ ہوگیا اور افسران نے آپ کے خلاف موت کا فیصلہ سنا دیا۔ جب فوجی ان کو گرفتار کرنے آئے تو آپ راہ فرار اختیار کر چکے تھے۔ فوجی برافروختہ ہوئے اور بادشاہ کو ان کا سر کاٹنے کی سزا دینے پر مجبور کیا۔ گرفتاری کی اطلاع ملنے پر آپ ایک رفیق ابوسعید دفدق کے گھر چھپ گئے اور اپنی Magnum Opus علم طب کی شاہکار کتاب القانون لکھنے میں مصروف ہوگئے۔ ان کی کتابیں ضبط کر لی گئیں علماء وقت آپ کے سخت خلاف تھے، چونکہ آپ نے ارسطو کے فلاسفی کی اشاعت کا پرجوش کام کیا تھا، لہٰذا امام غزالی نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ بحیثیت سائنس داں، ابن سینا جس طرح فلسفہ کے میدان کے شہ سوار تھے اسی طرح وہ علم طب اور سائنس کے بھی ماہر تھے۔ مغربی دنیا آپ کا بطور طبیب لوہا مانتی ہے۔ آپ کی تصویر یورپ کے گرجا گھروں کی دیواروں پر بطور ''پرنس آف فزیشن'' صدیوں کندہ رہی، اطالوی ادیب ڈانٹے نے آپ کو بقراط اور گیلن (Galen) جیسا عظیم طبیب مانا تھا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ان کی کتاب القانون اور الشفاء میڈیسن کا لازوال انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ''الشفاء'' میں آپ نے فلاسفی اور ریاضی کے علوم کے علاوہ باٹنی، جیالوجی، زوآلوجی، سائیکالوجی، جیومیٹری، اسٹرانومی اور میوزک کے علوم پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ابن سینا نے سائنس کے میدان میں تجربہ اور مشاہدہ میں خاص مہارت کا مظاہرہ کیا۔ اس کا ذکر انہوں نے اپنی طبی کتابوں اور مسودات میں کسی ایک بیماری کی شناخت اور خاص دوائی کے اثر کے بعد اپنے ذاتی مشاہدہ اور

تجربہ کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھا۔ پتھروں اور شہاب ثاقب کے پتھروں کا مطالعہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے ذاتی مشاہدہ کا ذکر کیا، چنانچہ خوارزم کے شہر میں رہائش کے دوران انہوں نے شہابی پتھر کو پگھلانے کا انوکھا تجربہ کیا مگر سوائے دھوئیں اور راکھ کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر انہوں نے اپنے گھر کے غسل خانہ میں قوس وقزاح کے مشاہدہ کرنے کا ذکر کیا نیز گھر کے باغیچہ میں جب پودوں کو پانی دیا جارہا تھا تو بھی قوس وقزاح دیکھنے کا ذکر کیا، اصفہان میں جب آپ کو کچھ امن وسکون کے سال میسر ہوئے تو انہوں نے ستاروں کے مطالعہ کرنے کا ایک آلہ ایجاد کیا۔ فزکس کی فیلڈ میں انہوں نے ہلکے اور بھاری وزنی والی اشیاء کی حرکت پر ایک مقالہ لکھا اور ارسطو کے نظریہ حرکت پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔

علمی شاہکار ''القانون فی الطب''

ابن سینا کی معرکۃ الاراء کتاب القانون دراصل یونانی، ہندوستانی اور ایرانی علم طب کا نچوڑ تھی۔ آپ سے پہلے چند ایک عظیم مسلمان سائنسدان گزرے جن میں سے ابوالحسن ابن علی طبری (مصنف فردوس الحکمۃ) ابوبکر ذکریا الرازی (مصنف الحوی اور المنصوی) علی ابن عباس الہوازی (مصنف کامل الصنعا اور المالکی) قابل ذکر ہیں، القانون فی الحقیقت ان مذکورہ کتابوں کو بنیاد بنا کر لکھی گئی تھی مگر کتاب کی ترتیب اسکے مضامین اسکی فصاحت وبلاغت سے اس قدر اعلی درجہ کی تھی کہ یہ ان تمام پر حاوی ہوگئی۔

القانون کی اہمیت

القانون پانچ حصوں میں تقسیم تھی۔ ۱-قوانین طب، ۲-ادویہ، ۳-۴-بیماریاں اور کمپاؤنڈ میڈیسن۔ ہر حصہ مزید ابواب میں تقسیم تھا، کتاب میں انسانی جسم،

اس کی ساخت، اس کے مزاج، اس کے حواس، بیماریاں ایسی بیماریاں جو ایک خاص عضو پر اثر انداز ہونے کی بجائے پورے جسم پر اثر انداز ہوتیں۔ حفظان صحت کے اصول اور زندگی کے خاتمہ پر اظہار خیال کیا گیا تھا۔ ایک باب میں مفید ادویہ کا بھی ذکر کیا گیا۔ نیز ایسی ادویہ کے بنانے کی تفصیل بیان کی گئی تھی جڑی بوٹی کے استعمال کا بطور علاج کے ذکر تھا۔ حکیم ابن سینا نے مختلف مریضوں کے علاج اور مشاہدہ سے جو علم حاصل کیا۔ اس کا بھی ذکر ہے۔ بعض نئی جڑی بوٹیوں کا ذکر کیا الکحل کے جراثیم کش ہونے کا ذکر کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے دماغی گلٹی، معدہ کے ناسور Ulcer کا بھی ذکر کیا آنکھ کی فزیالوجی، اناٹومی، اور تھیوری آف ویژن بیان کی۔ القانون فی الطب روم میں پانچ جلدوں میں ۱۵۹۳ء میں عربی میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب چھ سو سال تک بارہویں صدی سے لے کر سترہویں صدی تک تمام فرنچ اور اطالوی یونیورسٹیوں میں میڈیکل ٹیکسٹ بک تھی۔ پندرہویں صدی میں یہ کتاب لاطینی زبان میں پندرہ مرتبہ شائع ہوئی۔ نیز عبرانی میں ایک مرتبہ۔ اٹھارہویں صدی میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ انیسویں صدی میں Montpellier کی یونیورسٹی آف میڈیسن میں اس پر لیکچر دیئے جاتے تھے۔

ابن سینا کی تھیوریز کا مغرب کے مشہور برطانوی سائنسی مصنف اور فلاسفر راجر بیکن (Roger- Bacon- 1214-1292) کی تحریروں پر زبردست اثر تھا۔ وی انا کی یونیورسٹی میں 1520 میں اور فرانکفرٹ کی یونیورسٹی میں 1588ء میں میڈیسن کا تعلیمی نصاب ابن سینا اور زکریا الرازی کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ الرازی کی ''الحوی'' علم طب کی کتاب ۲۰ جلدوں پر مشتمل تھی یہ بھی ایک شاہکار کتاب ہے، اس کا لاطینی ترجمہ Continens کے عنوان سے ۱۲۷۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۳۹۵ء میں یہ کتاب پیرس یونیورسٹی کی فیکلٹی آف میڈیسن میں نو جلدوں میں محفوظ تھی۔ ابن سینا کے

میڈیسن میں عظیم مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو لقب ایک ہزار سال قبل پرنس آف فزیشن کا ان کو عطا کیا گیا وہ آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔

ابن سینا کی دوسری کتاب الشفاء Art of Heating کا اثر بھی مغربی مصنفین اور اسکالرز پر بہت تھا۔ یہ کتاب ان کے Genuis ہونے کا مسلم الثبوت ہے، نیچرل ہسٹری پر انہوں نے بہت لکھا، ان کے مضامین پر ملتے ہیں جانوروں کی دنیا، پودوں کی دنیا اور معدنیات کی دنیا۔ الشفاء کا معدنیات کا باب بہت دلچسپ ہے، ایک مغربی اسکالر Alfred Saresher نے اس کا لاطینی میں De Mineralibus نام سے ترجمہ کیا اس کتاب میں انہوں نے کیمسٹری اور جیالوجی پر بھی بہت کچھ لکھا آپ نے معدنیات کو پتھر، سلفر، نمک میں تقسیم کیا اور بتلایا کہ سمندر میں پتھر کیسے بنتے؟ پتھر سخت کیوں ہوتے؟ پہاڑ کیسے بنتے؟ سطح زمین سمندر میں کیسے بدلتی؟ سمندر کے مردہ جانوروں کی ہڈیاں پتھر کیسے بنتیں ہیں؟

عقل اور الہام

ابن سینا ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، جس کا اندازہ ان کی شاعری اور انکی تحریر کردہ قرآن کریم کے بعض حصوں کی تفسیر سے ہوتا ہے۔ آپ کی بہت سی کتابوں کے لکھنے کی وجہ اسلامی نظریات کی وضاحت تھی۔ آپ کے دور میں کٹر ملاؤں نے آپ پر بے دین ہونے کا الزام عائد کیا، اس کے جواب میں آپ نے مذہب اسلام سے اپنے والہانہ لگاؤ کا اعلیٰ پیرایہ میں اظہار کیا، جب آپ پر کبھی کڑا وقت آتا تو مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے چاہے یہ مشکل وقت کتابوں کے لکھنے یا دقیق نکات کے سمجھنے میں ہوتا آپ دعا کے ذریعہ مشکلات حل طلب کرتے آپ نے دعا کی قبولیت پر مضامین تحریر کئے نیز بزرگوں اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر جا کر دعا کرنے کے فوائد پر مضامین

تحریر کئے آپ کے نزدیک عشق کا سب سے اعلیٰ مقام خدائے تعالیٰ سے محبت تھا۔اس دور میں آپ نے کچھ اور کتابیں بھی لکھیں۔ان میں منطق المشرقین خاص قابل ذکر ہے،اس میں آپ نے فرشتوں کے وجود پر بحث کی اور اس خیال کا اظہار کیا کہ فرشتے بعض انسانوں کے لئے ہادی کا رول ادا کرتے ہیں۔یہ کتاب فلسفہ کے موضوع پر تھی۔ایک مقالہ ''رسالہ فی العشق'' لکھا جو کہ صوفی ازم کے موضوع پر تھا۔

ابن سینا کا مکتب فکر

اسلامی دنیا میں ابوعلی سینا کا اثر اس قدر زیادہ ہے کہ اس کو نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔جب کبھی مشرق میں فلسفہ اور سائنس کی بات چلتی ہے تو ابن سینا کا ذکر خود بخود چلا آتا ہے۔آپ کے جملہ شاگردوں میں سے ابوعبید الجرجانی قابل ذکر ہیں، بوعلی نے اپنی سرگذشت ان کو خود لکھوائی الجرجانی نے اپنے استاد کی وفات کے بعد ان کی کئی ایک نامکمل کتابوں اور مقالہ جات کو تکمیل تک پہنچایا۔کہا جاتا ہے کہ مشہور عراقی مسلمان ماہر طبیعات ابن الہشیم نے بھی آپ کے نظریات سے بہت علمی استفادہ کیا۔

اب یہاں تین مغربی عالموں کی رائے دی جاتی ہے جن سے ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ایک مغربی مصنف Goichon نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

1. There is not one thes is on one of our medieval philosophers which does not examine his relations with Avicennian philosophy. Avicenna was not only a source from which they all drew liberally, but one of the principal formative influence on their thought. Avicenna's Philosophy & Its Influence in Medieval Europe (Paris... A.M. Goichon)

2. Ernest Renan says in his book "Saintly Master of St. Thomas Acquinas" owed everything to Avicenna.

(Averroes & Averroism).3. Pope John XXI taught a theory of knowledge in which Avicenna was substantiated for Aristotle.

ایرانی عالم سید احمد علوی نے کتاب الشفاء کی عالیشان تفسیر لکھی نیز مرزا صالح مزندارانی نے کتاب، ''حکمت بوعلی'' لکھی جو طہران سے ۱۳۳۷ء میں تین جلدوں میں شائع ہوئی۔مغرب میں بوعلی سینا کے افکار وخیالات کا مغربی مصنفین پر بہت اثر رہا۔بارہویں صدی میں آپ کی کتابوں کے لاطینی زبان میں ترجمے شائع ہوئے جن میں آپ کی خودنوشت سوانح بھی شامل تھی۔بہت سے تراجم اسپین کے شہر طلیطلہ (Toledo) میں ایک مصنف Dominicus Gunelisalrus کے زیرنگرانی مکمل ہوئی لیکن تراجم کا سب سے زیادہ کام ایک اور اسکالر Johannes Hispalensis نے کیا ان تراجم میں کتاب القانون اور الشفاء اور نجات کے تراجم قابل ذکر ہیں پھر ایک اور زبردست اسکالر Gerard of Cremona (1140-87) نے بارہویں صدی کے نصف میں القانون کا لاطینی ترجمہ شائع کیا۔ایک مغربی عالم Blais نے علم طب پر بوعلی سینا کی خوبصورت نظم کا ترجمہ کیا۔یہ ترجموں کے کام قرون وسطی یا یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے عرصہ تک جاری رہی جن میں اطالوی عالم Alpigo Andre کا نام بطور مترجم قابل ذکر ہیں۔

گیلن آف اسلام

پیرس اور آکسفورڈ میں فلسفہ کے جو مکاتب فکر تھے۔ان پر ابن سینا کا اثر بہت تھا ان کے نظریات کی جھلک ''راجر بیکن'' کی تحریروں میں نمایاں نظر آتی ہے۔جس نے ابن رشد سے زیادہ ابن سینا کی تعریف کی ہے۔راجر بیکن نے خدا کے وجود کے حق میں جو دلائل وبراہین دیئے وہ سراسر ابن سینا کے تھے۔علم طب میں یونانی عالم

گیلن کی کتابوں کے ساتھ ساتھ ابن سینا کی کتابوں کا مطالعہ ایک عرصہ دراز تک لازمی جانا جاتا تھا۔ سولہویں صدی میں ایک یوروپین اسکالر Paraedsus (وفات ۱۵۴۱) نے علم کیمیا اور میڈیسن کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالنا چاہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے سر بازار گیلن اور ابن سینا کی کتابوں کو جلایا تا کہ لوگ ان کی کتابوں کو پڑھنے سے باز آجائیں۔

جب عربوں نے یونانی سائنس پر عبور حاصل کرلیا تو انہوں نے مشہور طبیب گیلن (130-200) کی کتابوں کے عربی میں تراجم کئے یوں انہوں نے اپنی قوم میں ایک مثالی طبیب کا کردار اختراع کرلیا دسویں صدی میں عربوں نے اپنے وقت کا سب سے عظیم لقب ''گیلن آف اسلام'' ابن سینا کو عطا کیا جو آج کے نوبل پرائز سے کچھ کم نہ تھا۔ ابن سینا کے شاگردوں میں سے بہتوں نے اس کے فلاسفی کے سسٹم اور میڈیسن کو اپنایا اور خود بھی اپنے دور میں اتھاریٹی مانے گئے۔ ان میں سے بہمن یار، ابوالمنان اصفہانی معصوی ابوالعباس اور ابن طاہر کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

(محمد زکریا ورک، الفیصل، نومبر ۲۰۱۰ء)

حوالہ:

۱- دی عرب ہیری ٹیج۔ مصنفہ نیچ امین فارس، نیویارک ۱۹۶۳

۲- آؤٹ لائن آف اسلامک کلچر مصنفہ اے ایم شسٹر ۱۹۶۶ء لاہور

۳- تھری مسلم سینچر، مصنفہ ایس ایچ نصر، نیویارک ۱۹۶۴ء

۴- مسلم کنٹری بیوشن ٹو سوی لائزیشن، جینیوا ۱۹۶۲ء

۵- The Discoverers by Daniel Boorstein ۱۹۸۳ء نیویارک۔

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

تابعین اور تبع تابعین علماء نے حدیث کی روایت میں بڑی احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ حدیث کو ہر سیاسی اثر سے آزاد رکھنے کیلئے انہوں نے خود کو سیاسی بکھیڑوں سے دور رکھا۔ اسلئے حکمراں طبقہ حدیث کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کیلئے اسکی روایت میں کوئی تحریف نہ کرا سکے، اس خیال سے یہ علماء کوئی عہدہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ اگر ان میں کوئی عالم ایسا کرنے کو تیار بھی ہوجاتا تھا تو دوسرے علماء اس کو ایسا نہ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید نے اسماعیل بن علی کو بغداد کا قاضی مقرر کیا۔ جب عبداللہ بن مبارک کو اس بات کا علم ہوا کہ انہوں نے یہ عہدہ قبول کرلیا ہے تو انہوں نے ابن علی کو ایک خط میں کچھ اشعار لکھ کر بھیجے جنکا مفہوم یہ ہے:

''اے دین کے ذریعہ غیروں کے مال کو شکار کرنے والے باز! تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کیلئے ایسا حلیہ اختیار کیا ہے جو دین کو تباہ کر کے رہے گا۔ پہلے تم دنیا کے مجنوؤں کا علاج کرتے تھے، اب تم خود دنیا کے مجنوں ہوگئے۔ اب بادشاہوں کے دروازے سے بے نیاز ہوکر تمہارا روایت حدیث کا عہد کیا ہوا؟ تم یہ کہو گے کہ

تمہیں یہ عہد قبول کرنے کیلئے مجبور کیا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے
کہ گدھا کیچڑ میں گر گیا ہے''۔

جب ابن علی کے پاس عبداللہ بن مبارک کا یہ خط پہنچا تو ان پر رقت طاری ہوگئی۔ وہ خط پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ خط پڑھ کر وہ فوراً مجلس قضا سے اٹھے اور ہارون رشید کے پاس جا کر اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔

(تہذیب التہذیب ۱/۲۷۸، تاریخ بغداد، ۲/۲۳۵)

☆☆☆

حجت الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ الاسلام حضرت امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی علمی، ظاہری باطنی اور عرفانی عظمتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کا سلسلہ گزشتہ نو صدیوں سے پورے عالم اسلامی ہی نہیں دیگر اقوام عالم کے اہل علم و دانش میں بھاری ہے، دراصل حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کا فکری سرمایہ علم و عرفان کا ایک بحر ذخار ہے جس کی تھاہ پالینا آسان نہیں، حضرت امام غزالی کے نام نامی اور ان کی بزرگی سے ہر باشعور مسلمان واقف ہے لیکن ان کی وسعتوں اور بلندیوں کا ادراک بالعموم علماء و فقہا اور اعلیٰ ترین ارباب دانش تک ہی محدود ہے۔ درحقیقت امام غزالی دنیائے اسلام کی وہ عبقری شخصیت ہیں جن کی دوسری مثال اسلامی تاریخ پیش کرنے میں قاصر ہے۔

امام غزالی کی انفرادیت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ وہ اپنے قلب کی تمام تاریکیوں سے گزر کر، بے اعتدالیوں کو گہرائی سے سمجھ کر علاج کیلئے کمر بستہ ہوئے اور کامیاب ہوئے۔ انکا کمال یہ ہے کہ وہ فلسفے میں ابن سینا اور فارابی کا درجہ رکھتے ہیں مگر بطور فلسفی نہیں جانے جاتے، علم الکلام میں ابوالحسن اشعری اور انکے نظام معتدلی کے اندرون تک پہنچے ہوئے ہیں۔ مگر بطور متکلم نہیں جانے جاتے۔ فقہ اور اصول میں

حضرت امام شاطبی جیسا کام کیا لیکن 'اصولی' انکی شناخت نہیں بن سکی۔ انہوں نے حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی کی طرح چلہ کشی کی مگر صوفی انکے نام کا حصہ نہیں بن سکا۔ ہر فن میں کمال انہیں کسی ایک کی طرف سے منسوب ہونے سے روکتا رہا یہ سب اسلئے ممکن ہوسکا کہ انہوں نے ساحل پر کھڑے ہوکر تماشہ نہیں دیکھا، وہ ہر موج سے ٹکرائے، ہر خندق میں چھلانگ لگادی اور وہیں سے موتی تو کہیں سے ہیرا نکالنے میں کامیاب رہے۔ (الاحسان الہ آباد، ۲۰۱۲ء)

امام کی پیدائش اور تعلیم وتربیت

حضرت امام غزالی ۴۵۰ ہجری، ۱۰۵۸ء میں طوس کے ایک شہر طابران کے غریب مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے والد بہت کم پڑھے لکھے نیک دل انسان تھے اور سوت کات کر زندگی گزارتے تھے آپ کے نام کے ساتھ غزالی کی نسبت کے بارے میں علامہ سمعانی اور بعض دوسرے احباب کا خیال ہے کہ وہ طوس کے نواح میں واقع ایک گاؤں غزالہ کے باشندے تھے۔ لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ غزالہ نام کے مقام کا کسی اس پورے علاقے میں کوئی وجود نہیں ہے اس لئے عام اندازہ یہی ہے کہ امام صاحب نے شوقیہ طور پر اپنے اسم گرامی کے ساتھ یہ لاحقہ اختیار کیا ہوگا۔ حضرت امام غزالی دو بھائی تھے، بھائی کا نام احمد تھا، ان کے والد اوسط درجہ افلاس وتنگ دستی کا شکار تھے کہ انہوں نے اپنے دونوں بچوں کا مستقبل سنوارنے کے لئے انہیں اپنے ایک متمول دوست کے سپرد کردیا کہ وہ ان کی تعلیم وتربیت میں مدد کریں ان کے مخلص دوست نے خوشی خوشی یہ ذمہ داری قبول کرلی اور دونوں بچوں کو تعلیم کے لئے مدرسہ میں داخل کرایا۔ بہت جلد یہ معلوم ہوگیا کہ محمد غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت رکھنے والا طالب علم ہے۔ خوش قسمتی سے اس ہونہار طالب

علم کو بہترین اساتذہ نصیب ہوئے، شہر طابران کے نہایت مشہور ومعروف عالم وفقیہ شیخ احمد الازکاوی سے فقہ شافعی کا درس مکمل کیا اس کے بعد آپ اپنے سرپرست اور اساتذہ کے مشورے پر گوگان (جرجان) چلے گئے جہاں اپنے عہد کے عظیم عالم اور استاذ امام ابونصر اسماعیلی سے اپنے علمی موضوعات میں مزید اضافہ واستفادہ کیا اور چھوٹی سی عمر میں ہی اس وقت کے بزرگ علماء ودینی دانشوروں میں شمار ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ صلاحیت اور بصیرت سے نوازا تھا۔ علم حاصل کرنے کا انہیں جنون کی حد تک شوق تھا۔ حصول علم وعرفان کی تلاش میں وہ نیشاپور پہنچے جہاں اس عہد کی عظیم دینی وروحانی شخصیت امام الحرمین شیخ عبدالملک ضیاء الدین تشریف فرما تھے آپ نے نہایت باوقار مرکز درس وتدریس قائم کا تھا جہاں چار سو سے زیادہ طلبا آپ سے فیضان علم دین حاصل کررہے تھے۔ حضرت امام غزالی بھی ان کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور پھر یہ ہوا کہ اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے وہ تمام طلبہ میں ممتاز اور نمایا سمجھے جانے لگے۔ حضرت امام الحرمین نے شاگردوں میں آپ نے نیشاپور اور گرد ونواح کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ عزت وشہرت حاصل کی۔ ابھی انہوں نے مدرسہ نہیں چھوڑا تھا کہ سن ۴۷۸ ہجری میں استاذ محترم دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت امام غزالی کا دل نیشاپور سے اچاٹ ہوگیا اور آپ وہاں سے بغداد شریف پہنچ گئے۔

آپ کی قابلیت ولیاقت کا شہرہ پہلے ہی وہاں پہنچا ہوا تھا۔ نظام الملک کے دربار میں رسائی ہوئی، اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۸ سال کی تھی لیکن آپ کی علمیت نے بڑے بڑے معمر اور جید علماء واہل دانش میں محترم ومقتدر بنادیا تھا۔ آپ تقریباً چھ سال کی عمر میں عالم اسلام کے سب سے بڑے دینی تعلیم کے مرکز مدرسہ نظامیہ کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے اور اس دور کے عالم اسلام کا سب سے بڑی علمی منصب تھا۔

اس سے آپ کی علمی بلندی کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر بزرگ اور محقق عبدالاغافر فارسی نے اپنے چشم دید بیان میں فرمایا ہے کہ امام غزالی کے جاہ وجلال کے سامنے امراء وزراء اور خود بارگاہ خلافت کی رونق ماند پڑ گئی۔ امام صاحب اس سن وسال میں اپنی خداداد ذہانت اور علمی لیاقت سے مرجع خلائق بن گئے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد میں اسلام کے بنیادی نظریات کے خلاف ابھرنے والے مسلکوں اور فرقوں کے رحسہ واصلاح کے لئے صحت مند، عادلانہ رویہ اپنایا اور حق وصداقت پر مبنی استدلال کے ذریعہ ملت اسلامیہ کو بدعقیدگی اور گمراہی سے بچانے کی کامیاب کوشش کی۔ انہوں نے اسلامی فقہ علم الکلام اور دوسری دینی علوم وموضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ انکی مجتہدانہ کتابیں ملت اسلامیہ کو ہمیشہ روشنی دکھاتی رہیں گی۔

آخرت کی سعادت تقوے پر مبنی

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تصوف وطریقت کے بھی امام مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے صوفیائے کرام کے حالات اور اشغال واعمال کے بارے میں نہ صرف گہرائی سے مطالعہ کیا بلکہ انہوں نے عملی طور پر بھی اپنی ذات کو بحر سلوک وتقویٰ میں غرق کردیا۔ انہوں نے عبادت وریاضت ومجاہدات میں مشغول ہوکر پایا کہ آخرت کی سعادت تقویٰ پر مبنی ہے۔ اور تقویٰ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب سالک اپنا دل دنیا سے توڑ کر آخرت سے جوڑ لے۔ وہ دنیاوی طور پر ایک کامیاب ترین عالم اور دانشور لیکن خشیت الٰہی کی سچی طلب انہیں دنیا سے الگ فقیری کی دنیا میں لے گئی۔ انہوں نے بغداد کی عزت ووقار وآرام وآسائش کی زندگی ترک کردی اور تقریباً دس برسوں تک عبادات ومجاہدات میں گم رہے۔ اسی حالت میں حرمین شریفین کی

زیارت سے مشرف ہوئے۔ دس سال تک تنہائی وگمنامی کی زندگی گزارنے کے بعد حضرت امام غزالیؒ کو صوفی مسلک پر کامل اعتماد ہوگیا نہ صرف اعتماد بلکہ ایمان وایقان بھی حاصل ہوا۔ اپنے اس تجربے کے بارے میں حضرت امام غزالیؒ کا بیان ہے۔

صوفیاراہِ خدا کے صحیح مسافر

'خلوت کے ایام میں ایسے ایسے راز کھلے جن کا شمار کرنا ناممکن ہے، فائدے کیلئے صرف اتنا ذکر کرتا ہوں کہ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ صرف صوفیا راہ خدا کے صحیح مسافر ہیں۔ ان کی سیرت سب سے اچھی ان کا راستہ سب سے بہتر اور ان کے اخلاق سب سے ستھرے ہیں'۔ حضرت امام غزالی ایک سچے اور باعمل صوفی ہوتے ہوئے بھی احکام شریعت کی لازمیت اور اہمیت کی تلقین وتعلیم پر مضبوط عالمانہ استدلال کے ساتھ زور دیا ہے۔ اصول نقد کی زندہ جاوید کتابیں تحسین الماخذ، شفاع العلیل ہیں۔ تصوف واخلاق کے موضوعات پر احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، المقصد الاحصیٰ، الاخلاق الابرار، جواہر القرآن، اور جواہر القدس اپنی مثال آپ ہیں۔

احیاء العلوم اور تحفۃ الفلاسفہ لکھ کر حضرت امام غزالی نے یونانی فلسفہ کے بڑھتے ہوئے اثرات کو صرف کم ہی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے یونانی فلسفیوں کے نظریات کو ناکارہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ محققین ان نگارشات کی تعداد ۷۹ بتاتے ہیں۔ جب کہ کچھ اہم تذکروں میں یہ تعداد بہت زیادہ بھی بتائی گئی ہے۔ حضرت امام غزالی کی ذات گرامی بلاتفریق مسلک ومشرب تمام امت مسلمہ کیلئے باعث صد احترام وعقیدت ہے۔ آپ کا وصال ۱۴/ جمادی الثانی ۵۰۵ ہجری مطابق ۱۱۱۲ عیسوی میں اپنے وطن طابران میں ہوا۔ (ماخوذ)

☆☆☆

عبداللہ بن خباب رحمۃ اللہ علیہ

خارجیوں کا فرقہ اس وقت ظہور میں آیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے اختلاف کو ختم کرنے کے لئے (ثالثی) تسلیم کر لی۔ ان کے لشکر سے ایک گروہ یہ کہہ کر علیحدہ ہو گیا کہ لاحکم الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی دوسرا حکم نہیں ہو سکتا۔ خارجی اپنے مسلک میں بڑے متشدد تھے۔ یہ عام مسلمانوں پر بڑے مظالم کرتے تھے۔ جو لوگ حضرت علی یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی حمایت کرتے تھے ان کو قتل کر دیتے تھے۔ پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی ہجری کے شروع میں ان کا بڑا زور رہا، یہ مسلمانوں کو پکڑ لیتے اور ان سے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے معاونین کی بابت سوالات کرتے تھے جو ان کی حمایت میں بولتے اور ان کو حق پر بتاتے ان کو قتل کر دیتے تھے۔ جو لوگ ان کے چنگل میں پھنستے تھے ان میں اکثر تقیہ کر کے بچ جاتے تھے لیکن بہت سے ایسے بھی حق گو ہوتے تھے جو جان کی پروا کئے بغیر حق بات کہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کی گردن میں قرآن لٹک رہا تھا۔ خارجیوں نے انہیں پکڑ لیا۔ ان سے کہا ''جو چیز تمہاری گردن میں لٹک رہی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ ہم تمہیں قتل کر دیں.....

بتاؤ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تم کیا کہتے ہو''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان بزرگوں کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا میں کیا کہہ سکتا ہوں؟''

خارجیوں نے پھر پوچھا: ''خلافت کے ابتدائی دور میں عثمان رضی اللہ عنہ کیسے تھے؟'' فرمایا ''وہ بہت اچھے تھے''۔

خارجیوں نے پھر سوال کیا ''تحکیم سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کیسے تھے؟''

جواب دیا ''بہت عمدہ تھے''۔

خارجیوں نے اگلا سوال کیا ''تحکیم (ثالثی) قبول کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''۔ ''میری رائے یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کو تم سے بہتر جاننے والے تھے، وہ تم سے زیادہ نیکوکار تھے، تم سے زیادہ دین کے حامی تھے، تم سے زیادہ دین کے نگہبان تھے اور تم سے زیادہ بصیرت اور فراست رکھتے تھے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں یہ صاف صاف اور بیباکانہ جواب سن کر خارجیوں کا یہ گروہ بڑا غضب آلود ہوا۔ انہوں نے کہا: ''تم سچائی کی پیروی نہیں کرتے۔ (معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ جیسے) بھاری بھرکم ناموں کی پیروی کرتے ہو''۔

پھر خارجی حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر ایک نہر کے کنارے لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی برائی کر کے اپنی جان بچائیں۔ لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حق سے ذرا بھی انحراف نہیں کیا۔ چنانچہ ان ظالموں نے انہیں نہر کے کنارے ذبح کر شہید کر ڈالا اور اس اللہ کے مجاہد نے حق کیلئے جان دے کر ثابت کر دیا کہ موت مومن کو ڈرا نہیں سکتی اس لئے کہ اس کا انجام فنا نہیں ہے۔ (ماخوذ: از اولیاء اللہ)

☆☆☆

قاضی یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مامون (۱۹۸ھ/۸۱۳ء تا ۳۱۸/۸۳۳ء) کی ماں ایرانی نسل سے تھی اس لئے عجمی لوگ اس کے بڑے حامی اور مددگار تھے، ایران میں شیعیت کو پنپنے کا خوب موقع ملا تھا۔ انہوں نے خلیفہ مامون پر بھی اس کا اچھا اثر چھوڑا تھا۔ اس نے بہت سے شیعہ عقائد کو اپنایا، متعہ کو عام کرنے کی کوشش کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل، یعنی ان کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر فوقیت دینے کی بات بھی اکثر اس سے سنی گئی۔

خلیفہ مامون اپنے عقائد کے نہ ماننے والوں کے خلاف تشدد پر اتر آتا تھا۔ اس نے خلق قرآن کا عقیدہ نہ ماننے والے لوگوں کو قتل وقید کی سخت سزائیں دیں۔ وہ لوگوں سے جبراً اپنا عقیدہ منواتا تھا۔

جب مامون نے متعہ کو عام کرنے کی کوشش کی تو اہل سنت والجماعت کو بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے قاضی یحییٰ بن اکثم کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ قاضی صاحب بڑے بہادر اور حق گو شخص تھے۔ وہ مامون کے دربار میں جا پہنچے۔ اتفاق سے اس وقت متعہ کا موضوع ہی زیر بحث تھا۔ مامون کہہ رہا تھا ''رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دو متعہ تھے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو روک دیا، لیکن جس چیز کی اجازت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رہی ہو اس کو روکنے کا کسی کو کیا حق ہے؟'' قاضی صاحب یہ بات سنتے ہوئے پہنچے تو ان کے چہرے کی کیفیت بدل گئی۔ مامون نے یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا: ''یحییٰ! آج تمہارا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟'' قاضی یحییٰ نے کہا: ''امیر المومنین ایک عظیم سانحہ ہوگیا''۔

''سانحہ! کیسا سانحہ؟'' خلیفہ نے حیرت سے پوچھا۔

''اسلام میں ایک رخنہ پڑ گیا۔'' قاضی صاحب نے بتایا۔

مامون نے پوچھا: ''وہ کیا؟''

کہا: ''یہ کہ زنا جائز کر دیا گیا۔ حرام کے حلال ہونے کا اعلان ہوگیا''۔

خلیفہ نے تعجب سے پوچھا زنا! حرام جائز! یحییٰ تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟'' قاضی یحییٰ نے کہا: ''امیر المومنین! متعہ زنا نہیں تو اور کیا ہے۔ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ صرف دو عورتوں..... بیوی اور لونڈی (غلام عورت) کے علاوہ کسی سے تمتع جائز نہیں۔ کلام اللہ میں ہے: (ترجمہ) ''اور جو لوگ اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ (باقی تمام عورتوں سے) اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ ہاں جو اسکے علاوہ (کسی اور طرح شہوت رسانی کا) طلب گار ہوگا ایسے لوگ شرعی حد کو توڑنے والے ہیں''۔ (المعارف:۲۹تا۳۱)

امیر المومنین! حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے: ''مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں متعہ، جس کی آپ ﷺ نے پہلے اجازت دی تھی، حرام ہونے کی منادی کرادوں''۔ قاضی یحییٰ کے اس استدلال کے بعد مامون قائل ہوگیا۔ اس نے اپنے فعل پر استغفار کیا اور متعہ کے حرام ہونے کی منادی کرائی۔ (تاریخ خطیب جلد:۱۴)

☆☆☆

قاضی یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

قاضی یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام مالکؒ کے شاگرد تھے۔ (یہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی ۲۰۶ھ/۸۲۱ء تا ۲۳۸ھ/۸۵۲) کے زمانے میں اندلس کے مشہور فقیہ تھے۔ بڑے حق گو اور بیباک شخص تھے۔ ان کے رعب و دبدبہ کے سامنے سارا اندلس لرزتا تھا، ان کو بادشاہ عبدالرحمٰن ثانی کے مزاج میں بھی بڑا دخل حاصل تھا۔ اس زمانہ میں بغداد کا ایک مشہور فلسفی علی بن نافع معروف بہ فاریاب تھا یہ ابراہیم موصلی کا شاگرد تھا۔ یہ فن موسیقی میں بڑا ماہر تھا۔ عراق و شام میں اس کی قدر دانی اس کے مرتبہ کے موافق نہیں ہوئی۔ جب خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی کو اس بات کا پتہ لگا تو اس نے فاریاب کو اندلس طلب کیا۔ اس نے اپنی حکومت کے تمام شہروں کے عاملوں کو احکام جاری کر دیئے کہ دارالحکومت قرطبہ تک پہنچنے میں علی بن نافع جس شہر سے گزریں اس شہر کا حاکم ان کا شاہانہ استقبال کرے اور بہت سے غلام، گھوڑے اور تحائف ان کو پیش کرے۔ غرض اس شان سے فاریاب کا قافلہ آبنائے جبرالٹرا (جبل الطارق) کو پار کر کے قلۃ الاسد پر نمودار ہوا.... اسی قلۃ الاسد پر جس پر ایک صدی پہلے فاتح اندلس طارق بن زیاد اپنے سات ہزار شیر لے کر اترا تھا۔ جنہوں نے اس مقام پر وہ اذان دی تھی۔

دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

طارق بن زیاد کا سات ہزار مجاہدین کا بیڑا جب اندلس کے ساحل پر اترا تو اس شیر دل نوجوان نے اپنے ساتھی نوجوانوں کو حکم دیا: ''لوگو! اپنی کشتیوں میں آگ لگا دو''۔

طارق بن زیاد نے کشتیوں میں آگ لگا دی

سب لوگ حیران تھے کہ ان کا امیر کیا کہہ رہا ہے۔ اسپین جیسی عظیم سلطنت کی پشت سے ہم اس پر چھاپہ مارنے آئے تھے۔ اگر ہم لوگ خدانخواستہ شکست سے دوچار ہوئے تو ہمارے بھاگنے کا بھی کوئی راستہ نہ ہوگا۔ مگر امیر کا حکم تھا، کشتیوں میں آگ لگا دی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام بیڑا آسمان کو چھونے والے شعلوں میں بدل گیا۔ یہ شعلے آبنائے جبرالٹر میں دور تک پھیل کر رات کی تاریکی میں ایک دلکش منظر پیش کرنے لگے۔ گویا مسلمانوں کی فتح عظیم کی خوشی میں چراغاں ہو رہا ہو..... اب طارق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کر کے دو الفاظ کہے جن کو تاریخ اسلام سونے کے حروف میں لکھ چکی ہے۔ اور دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال پیش نہیں کر سکی، اس نے کہا: ''یعنی لوگو! اب فرار کی راہ کوئی نہیں ہے، سمندر تمہارے پیچھے اور دشمن تمہارے سامنے ہے۔ اب اللہ کی قسم! صبر و ثبات اور سچے مجاہدانہ ذوق و شوق کے سوا تمہارا کوئی حامی و مددگار نہیں''۔

آبنائے جبرالٹر تو پہلے ہی شعلوں سے بھر گیا تھا۔ ان الفاظ نے مجاہدین کے سینوں کو بھی شعلوں سے بھر دیا۔ انہوں نے ایک پر جوش تکبیر بلند کی کہ یہ شیری چٹان (قلۃ الاسدر) لرز اٹھی:

ناگاہ فضا بانگ اذان سے ہو لبریز
وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہسار!

آج اسی ساحل پر ایک مغنی (سنگیت کار) کا قافلہ نمودار ہوا تھا، قاضی یحییٰ بن یحییٰ نے سنا کہ آج قرطبہ میں فاریاب سنگیت کار کا اس شان سے استقبال ہوا ہے۔

یہ ایک بڑا فتنہ ہے

قاضی صاحب کو یہ سن کر قلبی تکلیف پہنچی کہ خلیفہ نے سلطنت میں ایک ایسی بدعت کو قبول کیا ہے جو اگر رائج ہوگئی تو اسلامی معاشرے کو سخت دھکہ لگے گا اور وہ مجاہدین جو تلواروں کی جھنکار میں لذت لیتے تھے، چنگ در باب کی صدا میں موت کی نیند سو جائیں گے۔ چنانچہ وہ فوراً خلیفہ کے دربار میں اپنا یہ پیغام لے کر پہنچ گئے۔

قاضی یحییٰ نے عبدالرحمٰن ثانی کے دربار میں پہنچ کر اس کا خوف کئے بغیر ایک تقریر کی اور نہایت باوقار لہجہ میں بادشاہ کو خطاب کیا: ''اگر جناب والا ایک مسلم حکمراں ہیں تو ہر ایسے کام پر اعتراض کرنا میرا فرض ہے۔ جو شریعت کے خلاف ہے، آپ توبہ کریں اور یہ وعدہ کریں کہ آئندہ آپ ایسی کوئی لغزش نہیں کریں گے۔ امیر عالی مقام اپنے دربار میں مغنی کی تقریر کو معمولی بات تصور نہ کریں۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اگر پھیل گیا تو پوری سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر دے گا۔ اس قوم کے وقار کو خاک میں ملا دے گا جس نے تمام دنیا کی قوموں کے جھنڈے سرنگوں کر دیئے۔ جس قوم نے مغرب کی اس وادی کو روشنی دی ہے جسے آپ ایک بے ضرر تفریحی مشغلہ خیال کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ایک ہولناک عذاب ہے اور اگر اس عذاب کی روک تھام نہ کی گئی تو ملک سے اسلامی تہذیب کا آخری نشان بھی مٹ جائے گا..... اے امیر! یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔

اے امیر اندلس! غور سے سن لیجئے۔ اندلس کے جن پہاڑوں پر طارق بن زیاد کی قیادت میں اسلام کے وہ سرفروش مجاہدین اترے تھے جن کی تکبیر اہل یورپ پر

بجلی بن کر گری تھی۔ ان پر آج ایک مغنی نمودار ہوا ہے۔ جس کے میٹھے گیت قوموں کو موت کی نیند سلا دیتے ہیں اور ہم یہ کبھی گوارہ نہیں کر سکتے کہ اللہ پاک نے اپنی خاص مہربانی سے جو اقتدار اسلام کو بخشا ہے وہ مٹ جائے اور ہم دیکھتے رہیں۔ اچھا یہ ہے کہ اس بادشاہت کو اپنا موروثی حق نہ سمجھ کر اللہ کا انعام تصور کریں اور اس کے شکر گزار بندے بن کر اس کے قانون کے مطابق زندگی گزاریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ میری ذات پر کسی قسم کا احسان نہ ہوگا۔ قوموں کی زندگی بہادری سے بنتی ہے عیش سے نہیں۔ اے امیر! طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے خوابوں کے اندلس کو ہم اتنی آسانی سے برباد نہیں ہونے دیں گے۔ اپنے ان اسلاف کے اس کارنامہ کو جنہوں نے دنیا کی تاریکی کو اسلام کی روشنی پھیلا کر منایا تھا ہم کس طرح مٹتے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ہمارے ان اسلاف کی نشانی ہے۔'' (اسلام کی عظمت کے مینار)

☆☆☆

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ نخعی کو ۱۵۳ھ/۷۶۹ء میں عباسی خلیفہ منور نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ یہ مختلف خلفاء کے زمانے میں اس عہدے پر فائز رہے۔ ایک عادل حاکم کے مزاج میں حق بات سمجھنے اور کہنے کی صلاحیت ہونی لازمی ہے۔ ان کے اندر بھی یہ جوہر موجود تھا۔ بڑے ذہین اور عقلمند تھے۔ حاضر جوابی اور حق گوئی میں بے مثال تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے:

''یعنی وقت پر جواب سے چوک جانا دل کے مردہ ہونے کی دلیل ہے''۔

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کو اہل بیت سے بہت زیادہ پیار تھا۔ اس لئے ان کے مخالف ان پر شیعہ ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ ایک دن کچھ لوگوں نے خلیفہ وقت مہدی بن منصور کو ان کے خلاف بھڑکا دیا او راس کو یقین دلا دیا کہ قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ رافضی ہیں۔ چنانچہ مہدی نے ان کو فوراً دربار خلافت میں طلب کیا۔

جب قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ کے دربار میں تشریف لائے اور اس کو سلام کیا تو اس نے ناراضگی کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور منہ پھیر لیا۔

قاضی نے پوچھا: امیر المومنین! آپ کس بات پر ناراض ہیں؟''

خلیفہ مہدی نے انتہائی غصہ کے ساتھ کہا: ''تم ملعون رافضی ہو''۔

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی سکون اور متانت سے جواب دیا: ''امیر المومنین! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فاطمہ، علی اور حسنین رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے کا نام رفض ہے؟ اگر واقعی یہ رفض ہے تو میں اللہ رب العزت کو اور آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بیشک میں رافضی ہوں''۔ (تبع تابعین:۲/۲۲۱)

☆☆☆

حضرت یعقوب رحمۃ اللہ علیہ بن سکیت

۲۳۲ھ/۸۴۶ء میں خلیفہ متوکل علی اللہ تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے پیشرو تینوں خلفاء مامون، معتصم اور واثق .... کے غیر اسلامی عقائد کو ترک کر کے کتاب وسنت کے احیاء اور احادیث رسول ﷺ کی اشاعت کی طرف پوری توجہ دی۔ خلق قرآن اور رویتِ باری کے مسائل پر تمام بحثیں موقوف کرادیں۔ لیکن ان تمام محاسن کیساتھ اس میں ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ خلیفہ عبداللہ سفاح اور منصور کی طرح یہ بھی بنوعلیؓ سے بڑی عداوت رکھتا تھا۔ بہت سے عباسی خلیفہ یہ حوف کھاتے تھے کہ اگر اولاد علی رضی اللہ عنہ کو دبا کر نہ رکھا گیا تو وہ ان کی خلافت کا اسی طرح تختہ الٹ دیں گے جس طرح بنوعباس نے بنوامیہ کا الٹا تھا۔

متوکل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ساتھ سخت نفرت ودشمنی تھی۔ وہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو خود تو برا کہتا ہی تھا اگر کسی سے ان کی تعریف سن لیتا تھا تو اس کا بھی جانی دشمن بن جاتا تھا۔

اس کو کسی نے بتایا کہ اس کے دونوں لڑکوں..... معتز اور موید ..... کے استاد یعقوب بن سکیت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی آل سے بہت محبت کرتے ہیں۔ خلیفہ

کو اس پر بہت غصہ آیا۔ جب یعقوب رحمۃ اللہ علیہ بن سکیت ان دونوں لڑکوں کو درس دے رہے تھے تو خلیفہ نے ان سے سوال کیا: ''کیوں شیخ آپ ان دونوں لڑکوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے''۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کے عتاب کی پروا کئے بغیر جواب دیا: ''امیر المومنین! میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت قنبر کو بھی ان دونوں سے بہتر سمجھتا ہوں''۔ متوکل ان کے اس جواب سے اتنا ناخوش ہوا کہ اسی وقت ترک غلاموں کو حکم دیا کہ ''اس کو روند کر مار ڈالو''۔ چنانچہ ان کو اسی وقت شہید کر ڈالا گیا۔ (تاریخ الخلفاء، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

☆☆☆

یزید بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ بن حبیب بنو مروان کے اس دور میں ہوئے جب امراء وسلاطین تقویٰ اور پرہیز گاری سے بہت دور ہو چکے تھے۔ ان کو خدا کا خوف مطلق نہیں رہا تھا۔ اس کی جگہ امراء خلفاء میں ظلم وزیادتی نے لے لی تھی۔ اپنے سیاسی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کا خون بہانے میں بھی ان کو کوئی دریغ نہ ہوتا تھا۔ حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ ایسے بے خوف مرد مجاہد تھے کہ وہ امراء وسلاطین کی اس روش سے بالکل خوفزدہ نہیں ہوتے تھے۔ بڑے سے بڑے حاکم کے سامنے اور بے روک ٹوک اظہار حق کر دیتے تھے۔

حضرت یزید بن حبیب علم کا بڑا وقار قائم رکھتے تھے۔ کسی امیر کے آستانے پر جانا گوارہ نہیں تھا۔ جس کو کوئی ضرورت ہوتی تھی اس کو اپنے یہاں بلاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سرداریان بن عبد العزیز نے آپ سے کچھ معلومات کرنے کے لئے بلا بھیجا۔ آپ نے جواب میں کہلا بھیجا ''تم خود میرے پاس آجاؤ میرے پاس تمہارا آنا تمہارے لئے زینت اور میرا تمہارے پاس جانا تمہارے لئے عیب ہے''۔ ایک مرتبہ یزید بن حبیب بیمار پڑے تو مصر کا گورنر خوشرہ بن سہیل ان کی عیادت کو آیا۔

بات چیت کے دوران خوشرہ نے پوچھا: ''کیوں ابو رجاء! جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو کیا اس سے نماز ہو سکتی ہے؟ اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

یہ سوال سن کر حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ نے خوشرہ کی طرف سے منہ پھیر کر جواب دیا ''واہ! واہ! کیا خوب، جو لوگ اللہ کے بے گناہ بندوں کا خون بہانے میں دریغ نہ کرتے ہوں وہ مجھ سے مچھر کے خون کے متعلق سوال کرتے ہیں''۔

(تذکرۃ الحفاظ، جلد اول)

☆☆☆

احمد بن معذل رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ متوکل علی اللہ (۲۳۲ھ/۸۴۶ء تا ۲۴۷ھ/۸۶۱ء) علماء ومحدثین کا بڑا احترام کرتا تھا۔اس کو صالحین اور اہل اللہ سے بہت عقیدت ومحبت تھی۔اس لئے اس کے دربار میں اکثر علماء وفضلاء جمع رہتے تھے۔ان میں بہت سے بزرگ ایسے تھے جو بادشاہ سے کسی طرح بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ وہ اس کو ہر وقت حق سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔حضرت احمد بن معذل رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔سب لوگ دربار میں جمع تھے۔ جب متوکل مجلس میں آیا تو تمام لوگ کھڑے ہوگئے،لیکن احمد بن معذل رحمۃ اللہ علیہ اس کے احترام میں کھڑے نہیں ہوئے۔متوکل نے عبیداللہ سے پوچھا۔

''کیوں عبیداللہ کیا ابن معذل رحمۃ اللہ علیہ مجھے خلیفہ نہیں سمجھتے؟''

''بیشک سمجھتے ہیں آپ کو خلیفہ نہ سمجھنے کی کون سی بات ہے۔'' عبیداللہ نے کہا۔

''پھر وہ میری آمد پر کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟''

عبیداللہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت احمد بن معذل رحمۃ اللہ علیہ متوکل کے عتاب کا نشانہ بنیں اور ان کی جان خطرے میں پڑے۔ انہوں نے فوراً ایک بہانہ تراشا اور کہا:

''امیر المومنین! ضعیفی کی وجہ سے ان کی نگاہ کمزور ہے وہ آپ کو پہچان نہیں سکے''۔

احمد بن معذل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:''امیر المومنین یہ غلط ہے، میری نگاہ بالکل ٹھیک ہے، میں اس لئے کھڑا نہیں ہوا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو حاکم اپنے احترام میں لوگوں کا کھڑا ہونا پسند کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔

کس قدر بیباک دل! اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلہ گردوں نورد اک مشتِ خاکستر میں تھا

(تاریخ اسلام جلد اول)

☆☆☆

علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ

دینی اسلامی علوم کے اہم مسائل پر دنیا بھر کے علماء کرام گزشتہ پانچ سو سال سے اسلامیات کے دانشور اپنی تحریروں اور تقریروں میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے استعداد اور استدلال کرتے آرہے ہیں۔ عالم اسلام کے تمام ہی دینی مدارس میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور تالیفات نصاب عالیہ کے حصہ ہیں۔

تفسیر جلالین قرآنی علوم کی سب سے گراں قدر کتاب تسلیم کی گئی ہے اور جس کے مطالعہ کے بغیر علوم دینیہ کی تحصیل مکمل نہیں ہوسکتی۔ اس عظیم کتاب کا نصف آخر حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی تالیف کردہ ہے۔ جلالین شریف کا نصف اول حضرت مولانا جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا تھا۔ جو حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد محترم تھے۔ علوم اسلامیات میں حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی الاتقان فی علوم القرآن اپنی مثال آپ ہے۔

اس کتاب کے مقدمہ میں علامہ نے ۸۰ علوم قرآنی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اجمالاً بیان کیا ہے جب کہ اصل تعداد ۳۰۰ سے زائد ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو دو جلدوں میں ہے۔ کتاب کے دنیا بھر کی بڑی زبانوں میں تراجم ہو چکے

ہیں۔ متعدد اسلامی دانشوروں اور محققوں نے اس کی تفسیریں لکھی ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت عالم اسلام کے ایسے مفسر، مورخ، مولف اور محقق ہیں جن کے علمی و دینی احسانات کو مسلمانان عالم تا قیامت فراموش نہیں کر سکتے۔ آپ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم اور اسلامی علوم کی مختلف شاخوں کے ایسے ماہر تھے جن کا کوئی ثانی اس وقت تھا نہ آج تک پیدا ہوسکا۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر درالمنثور، تاریخ الخلفاء، الاتقان اور ''لب لباب'' ادب اسلامی کے ایسے شاہکار ہیں جو آج بھی دنیائے اسلام کی رہنمائی کررہے ہیں۔

آپ کے والد آپ کے پہلے استاد

اسلامی تاریخ کے مایہ ناز فرزند علامہ سیوطیؒ کی ولادت ۱۴۴۵ء (۹۴۱ ہجری) میں مصر کے تاریخی قصبہ سیوط میں ہوئی۔ اسی نسبت سے آپ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ یا سیوطی کہے جاتے ہیں۔ تقریباً ساڑھے پانچ سال کی عمر میں ہی آپ یتیم ہوگئے تھے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں اپنے والد ماجد سے سورہ تحریم تک قرآن کریم ناظرہ پڑھ چکے تھے۔ بچپن ہی میں اپنے خاندان کے دوسرے بزرگوں کے ساتھ قاہرہ آگئے۔ اسی شہر میں انہوں نے شعوری کی منزلیں طے کیں۔ قرآن مجید صرف ۸ برس کی عمر میں حفظ کیا۔ ان کی ذہانت اور قوت حافظہ غیر معمولی تھی۔ خوش قسمتی سے انہیں اس زمانے کے بہترین اساتذہ کی سرپرستی ورہنمائی حاصل ہوئی۔ خاص طور پر نامور عالم دین وشریعت حضرت جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں بیحد علمی فیضان حاصل ہوا۔ ان کی خداداد ذہانت کا عالم یہ تھا کہ بہت چھوٹی عمر میں ہی مروجہ علوم میں اتنی مہارت پیدا کرلی تھی کہ بڑے بڑے اہل علم حیرت زدہ تھے۔ ۱۹-۱۸ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ عربی زبان وادب، شاعری، لغات اور لسانیات کے محقق وناقد بن گئے۔ لیکن سب سے

زیادہ کامیابی اور شہرت علوم قرآنی، علم حدیث اور فقہ وشریعت کے میدان میں حاصل کی۔ مذکور ہے کہ نوجوانی کے زمانہ میں وہ اسماء الرجال، احادیث کی تحقیق، استناد واستنباط اور فقہی امور ومسائل کے اتنے بڑے عالم تسلیم کئے گئے جن کا قول حرف آخر ہوتا ہے۔ صرف ۴۰ برس کی عمر میں وہ دنیا اور دنیاداری سے بالکل دور ایک درویش کی طرح زندگی گزارنے لگے۔ انہوں نے عربی تاریخ کے بہت سے واقعات، مقامات اور آثار جن کا عربی کی قدیم شاعری میں تذکرہ ہے۔ کے موضوع پر زبردست تحقیقی اور معلوماتی کتاب 'الاذکار فیما عقدہ الشعراء من الآثار' تصنیف کی۔ جو اس موضوع پر آج بھی دنیا بھر کے مورخین اور محققین کے لئے اہم مآخذ ومنبع ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نہایت اہم کتاب کا نام 'الاکلیل فی استنباط التنزیل' ہے جس میں انہوں نے علم تفسیر کے اصول اور طریقے بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب بعد کے زمانوں میں ہونے والے مفسرین کیلئے بہترین گائڈ بک تسلیم کی گئی۔ اسی طرح علامہ نے ''الانفیہ فی المصطلح الحدیث'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھ کر حدیث شریف کی اصطلاحات اور تشریح کے بارے میں وہ علمی رموز ونکات بیان فرمادیئے جن سے علم حدیث کے حصول میں ہمیشہ مدد ملتی رہے گی۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے معتبر مورخ بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جن کی کتاب 'تاریخ الخلفاء' عہد خلفاء راشدین کی مستند اور متفق الیہ تاریخ ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور کی یہ ایسی تاریخی دستاویز ہے جس کا حوالہ عالم اسلام کے تمام ہی بڑے مورخین کیلئے ناگزیر ہے۔ جہاں تک علم حدیث کا تعلق ہے۔

الجامع الصغیر فی الحدیث

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجامع الصغیر فی الحدیث'' نام سے جو کتابیں تالیف فرمائیں اور ان میں نہایت احتیاط اور تدبر سے حدیث شریف کی مستند صحاح ومسانید

کی احادیث جمع کردی ہیں۔ اس ضخیم ووقیع کتاب کو ہندستان کے نامور محدث ومحقق علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے 'جامع الکبیر' کے عنوان سے تلخیص وترتیب کرکے بیحد آسان اور عام فہم بنادیا ہے۔ یہی کتاب عرب ممالک میں 'جامع الجوامع' کے نام سے مقبول خاص وعام ہے۔ دنیائے اسلام کے علماء واسلامی دانشوروں میں یہ بات مشہور ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے پوری اسلامی دنیا پر اس گراں قدر کتاب کے ذریعہ احسان عظیم کیا ہے۔ جب کہ خود علامہ سیوطیؒ پر حضرت علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے اسے عام فہم بنادیا۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دو اہم ترین تصانیف 'طبقات الحفاظ' اور 'طبقات المفسرین' ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں علامہ نے شروع سے اپنے عہد تک کے عظیم حفاظ اور مفسرین کی بہترین تاریخ بیان کی ہے۔ حفاظ قرآن اور مفسرین کے کمالات اور قرآنی خدمات کو موازنہ وتجزیہ کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اس طرح علامہ نے 'قرآنیات' کے موضوع پر آج تک مفید مستند ومعتبر کتابیں مسلمانان عالم کو عطا کی ہیں۔ حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا لافانی کارنامہ 'جلالین' شریف ہے۔ جسے ان کے استاذ محترم علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا تھا۔ یہ کار عظیم ان کے اچانک انتقال کی وجہ سے نامکمل رہ گیا تھا۔ جس کو ان کے لائق شاگرد جلال الدین یعنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی شان کے ساتھ مکمل کردیا۔ تفسیر جلالین شریف پوری دنیا کے دینی مدارس میں ۵۰۰ سال سے زیادہ مدت سے پڑھائی جارہی ہے۔

مذکور ہے کہ حضرت علامہ نے علمی وتحقیقی مقاصد سے دور دراز کے ملکوں کی سیاحت کی۔ عربی زبان کی مشہور ترین فرہنگ 'المنجد' کے مطابق آپ ہندوستان بھی تشریف لائے تھے۔ لیکن 'المنجد' کے علاوہ کسی اور تاریخ یا تذکرہ میں یہ ذکر نہیں آیا۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی لسانیات، قواعد اور صرف نحو کے موضوعات پر بھی کتابیں لکھیں جو ہمیشہ کے لئے عربی زبان وادب کے طلباء کے لئے رہنما بن گئیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں اور ضابطوں کی عربی زبان کی تحصیل وتفہیم میں بنیادی اہمیت ہے۔ علامہ نہ صرف نثر بلکہ عربی شاعری میں بھی اپنی منفرد پہچان رکھتے تھے۔ ان کی عربی شاعری اقدار اسلامی اور اسرار حیات وکائنات کے موضوعات پر مبنی عربی ادب کا عظیم سرمایہ ہے۔ علامہ کی تصنیفات اور تالیفات پر کویت میں دو عرب دانشوروں نے تحقیق کی ہے۔ ان کے تحقیقی کام کو پوری دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اس تحقیقی کتاب 'مخطوطات السیوطی رحمۃ اللہ علیہ واماکن وجودھا' کے مطابق علامہ سیوطی کی نگارشات کی تعداد ۹۸۱ تک پہنچتی ہے۔ (ماخوذ)

☆☆☆

حضرت قاضی اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ

فاتح صقلیہ حضرت قاضی اسدؒ بن فرات نے حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسنؒ سے درس حاصل کیا۔ یہ ایک مفلس اور غریب الدیار طالب علم کی حیثیت سے محمد بن حسنؒ کے حلقہ درس میں شامل تھے۔ حنفی مکتب فکر میں کامل ہو جانے کے بعد انہوں نے بغداد سے باہر جانے کا ارادہ کیا لیکن مفلسی اور ناداری دامن گیر تھی۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا ننگ وعار کی بات سمجھتے تھے، ان کے مرشد کو اس پریشانی کا علم ہوا تو تسلی دی اور فرمایا ''ابھی کچھ دن اور بغداد میں قیام کرو۔ انشاء اللہ کوئی بندوبست ہو جائے گا''۔ یہ خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ تھا، جب امام محمد بن حسن ولی عہد شہزادہ امین کے پاس تشریف لے گئے تو یہ بات اسکے سامنے رکھی۔

اسدؒ بن فرات کی ذہانت وطباعی اور عملی شغف کا بیان کیا اور جملہ اوصاف ومحاسن سے اس طرح آگاہ کیا کہ شہزادے کو اس جوان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا، اس نے ایک دن اپنے ایک خادم کے ذریعہ اسدؒ بن فرات کو بلوا بھیجا۔ یہ محل میں پہنچے تو شہزادے کے خادم خاص نے ان کا استقبال کیا۔ احترام سے ایک کمرہ میں بٹھایا۔ کچھ دیر بعد اسکے

سامنے دسترخوان بچھایا اور عمدہ کھانے کا ایک خوان لاکر سامنے رکھ دیا۔
لیکن اسد بن فرات کی خودداری اور استغنا نے یہ گوارہ نہ کیا کہ میزبان
کے بغیر صرف خادم کیساتھ کھانا کھانا شروع کردیں۔

استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آب جو رہنا

انہوں نے خادم سے پوچھا ''یہ دعوت تمہاری جانب سے ہے یا شہزادہ امین کی جانب سے؟'' خادم نے جواب دیا ''یہ میں اپنے آقا کے حکم سے لایا ہوں''۔اسد بن فرات نے کہا ''تمارے آقا کو یہ بات ہرگز پسند نہ ہوگی کہ ان کا مہمان میزبان کے بغیر کھانا کھائے۔ یہ خوان اٹھالو اور میری طرف سے یہ حقیر انعام قبول کرو''۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی جیب سے وہ چالیس درہم نکال کر اس خادم کے ہاتھ پر رکھ دیئے جوان کا کل سرمایہ تھے۔خادم اس پردیسی طالب علم کی خودداری، حق گوئی اور سخاوت سے بہت متاثر ہوا۔اس نے اندر جا کر تمام واقعہ شہزادہ امین کو بتایا۔ یہ سن کر امین بھی بہت متاثر ہوا۔

اسد بن فرات کو اندر بلایا اور باعزت طریقہ سے اپنے سامنے ساتھ کھانا کھلایا۔شہزادہ امین نے اسد بن فرات سے علمی بات چیت کی تو انکے علم کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا، دیر تک بات چیت کرنے کے بعد اسکو ایک حکم نامہ دس ہزار درہم عنایت کرنے کیلئے صاحب دیوان کو لکھا اور اسد بن فرات سے کہا کہ مزید جو ضرورت ہو وہ مجھے بتاتے رہنا لیکن انہوں نے اس دس ہزار درہم کے علاوہ کچھ اور لینا گوارہ نہیں کیا۔اپنی تعلیم مکمل کر کے یہ افریقہ کے قاضی ہو گئے۔

۲۱۲ھ، ۸۲۷ء میں ان کو اللہ نے فوج کی امارت کا منصب عطا کر دیا، افریقہ میں یہ پہلے شخص ہیں، جنہیں بیک وقت ان دونوں جلیل القدر عہدوں پر فائز کیا گیا۔صقلیہ کو دارالاسلام قرار دینے کا شرف اسی غریب

الدیار نوجوان کو حاصل ہوا جو مجاہدین کی ایک ایسی فوج لے کر صقلیہ کی طرف بڑھے:

اک جہان تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغ ناصبور

(تاریخ صقلیہ، سید ریاست علی)

☆☆☆

ابوالمسک کافوری اخشیدی

تاریخ کے گہرے مطالعہ کے دوران بعض بڑے فاتحین، شہنشاہ اور قائدین کے ظاہری کمالات اور فضائل کے درمیان ایسے چھوٹے واقعات ملتے ہیں جو ان کی زندگی سے متعلق ہیں اور بڑے سبق آموز ہیں۔ ان ہی میں سے ایک واقعہ ''ابوالمسک کافوراخشیدی'' کا ہے جو فاطمیوں سے پہلے مصر کا حاکم تھا اور اس کے زیر انتظام مصر اور اطراف مصر کا بڑا علاقہ تھا، قارئین میں کم ہی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ جانتے ہوں کہ ''کافوراخشیدی'' نجی زندگی میں بڑا متقی اور اللہ کا خوف رکھنے والا تھا، اور غرباء مساکین کی فکر کرنے والا تھا، اس کا معمول تھا کہ عید کی رات کو قاہرہ میں تمام حاجت مندوں کو خاموشی کے ساتھ اتنا تقسیم کرتا جو ان کے عید منانے کے لئے کافی ہو سکے۔ اس کے بے نظیر واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جسے ان کے خزانچی ''ابوبکر معلیٰ'' نے بیان کیا ہے کہ ''وہ ہر عید کے موقع پر ان کو غریب علاقوں میں بھیجا کرتا تھا، ان کے ساتھ قاہرہ کے حاجت مندوں کا رجسٹر ہوتا جس میں ان لوگوں کے نام اور پتے درج ہوتے اور ایک محافظ بھی ہوتا اور رہبر بھی، جو ایسے گھروں کو بخوبی جانتا ہو، یہ ہر اس گھر پہنچتے جس کا رجسٹر میں ذکر ہوتا، اور گھر والے سے کہتے:

ابوالمسک کافور نے آپ کو عید کی مبارکباد کا پیغام بھیجا ہے اور کہا ہے: ''اپنا عید کا خرچ اس رقم سے چلایئے''۔

ایک موقع پر ابوبکر نے اس رجسٹر میں ایک نئے نام کا اضافہ پایا، وہ نام ''عبد اللہ بن جابار'' کا تھا، جن کو قاہرہ آئے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، ابوبکر معلیٰ کہتے ہیں کہ وہ اس گھر پہنچے تو وہاں سے ایک ایسا شخص نمودار ہوا جس پر بے خوابی کے اثرات تھے۔ ابوبکر نے کہا: ابوالمسک کافور نے آپ کو عید کی مبارکباد کا پیغام بھیجا ہے۔ اس شخص نے کہا: اللہ خوب جانتا ہے کہ شاہ کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا گو رہتا ہوں اس اللہ سے جو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

ابوبکر نے کہا: اس نے آپ سے کہا ہے، اپنا عید کا نفقہ اس سے چلایئے اور یہ (کہتے ہوئے ابوبکر نے) ان کی طرف سو (۱۰۰) دینار بڑھائے۔ ابن جابار نے لینے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا، ہماری اس سے محبت کو کسی دنیوی فائدے سے ملوث نہ کیجئے، اس کو اللہ کے لئے رہنے دیجئے۔ ابوبکر نے بڑی کوشش کی کہ وہ اس کو قبول کر لیں لیکن انہوں نے ان کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار دیکھے، تو وہ خاموش ہو گئے، کافور کے پاس پہنچ کر تفصیلات بیان کیں اور کہا، اللہ آپ کے لئے ہر دعا کو جو آپ کے لئے کی گئی قبول کرے۔ کافور نے کہا: ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھ کو اپنے بندوں کو راحت پہنچانے کا ذریعہ بنایا۔

ابوبکر نے کچھ دیر کے بعد کافور کو ''ابن جابار'' کا قصہ سنایا، تو کافور نے کہا: عبد اللہ دنیادار لوگوں میں نہیں ہیں، لیکن تم اس کے پاس پھر جاؤ، جب وہ تم سے کہیں، کیا تم ہمارے پاس نہیں آئے تھے، تو تم سورہ طٰہٰ کی آیتیں تلاوت کرنا: طٰهٰ. مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى. اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى. تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى. الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. لَهٗ مَا فِي

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِیْ الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی. پھر کہنا کافور نے آپ سے کہا ہے میں کون ہوں؟ حبشی غلام کافور کیا چیز ہے؟ بلکہ یہ ساری مخلوق کیا ہے؟ کیا اللہ کی ملکیت سے کوئی بچا ہے؟ یہ دینے والا کون ہے؟ اور کس کے دیئے کو آپ لوٹا رہے ہیں، آپ نے جس سے مانگا تھا وہی آپ کو دے رہا ہے۔

ابوبکر بیان کرتے ہیں: میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، وہ میرے قریب آئے اور مجھ سے وہی سب کچھ کہا جس کی کافور کو امید تھی، تو میں نے کچھ اور نہیں کہا، صرف ان آیات قرآنیہ کو پڑھا، اور کافور کا پیغام سنایا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور دیر تک گریہ کی کیفیت طاری رہی میں خاموش یہ منظر دیکھتا رہا، کچھ دیر کے بعد آنسو تھمے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں کو بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا: کہاں ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے، میں نے کافور کی دی ہوئی رقم بڑھا دی، عبداللہ بن جابار نے کہا: کافور نے ہم کو تہذیب نفس کے سبق سکھا دیئے۔ ابوبکر پھر کافور کے پاس لوٹے اور یہ واقعہ سنایا، تو وہ اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے کافور سربسجود ہو گیا اور کہا: سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے اپنے بندوں کو رحمت پہنچنے کا ذریعہ بنایا، پھر وہ عید کی نماز کیلئے روانہ ہو گیا، کافور نے نماز کو جانے کیلئے اپنی سواری اس وجہ سے موخر کر دی تھی کہ یہ جانتے کہ ابن جابار نے کیا جواب دیا۔ ہم ملاحظہ کریں کہ ابوبکر کی مہم جو عشاء کی نماز سے شروع ہوئی تھی باوجود رات کے دراز ہونے کے صبح کو چاشت کے وقت تکمیل کو پہنچی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء واجزل ثوابہ۔

حدیث نبوی شریف: ''**من ارا ان تستجاب دعوته وتفرج کربته فیفرج عن معسر**'' (جو چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو اور اس کی پریشانی دور ہو وہ کسی پریشان حال کی پریشانی کو دور کرے)۔ (رواہ ابن ابی الدنیا)

☆☆☆

سلیمان اعمش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلیمان اعمش رحمۃ اللہ علیہ ابن مہران فقہ او رحدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ دولت سے بڑے بے نیاز تھے۔ لیکن انتہائی فقر واحتیاج کے باوجود نہ تو کبھی امراء وسلاطین سے خوف کھایا اور نہ ان کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ موقع پڑنے پر حق بات کو بڑی بیباکی سے بیان کر دیتے تھے۔ انہوں نے اموی خلفاء کا شان وشوکت کا زمانہ پایا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل وقصاص کی بات کو لے کر حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو شدت اختلافات ہوئے اس نے ہاشمیوں اور امویوں کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ بنوامیہ کے لوگوں نے حضرت عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی غلو آمیز تعریف اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برائی کو ایک مشغلہ بنا لیا تھا۔

اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے علم سے بہت متاثر تھا۔ وہ ان کے اعجاز کا قائل تھا۔ ایک دن اس نے اپنے ایک قاصد کو اپنا خط دے کر ان کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا ''اعمش''! ہم تم میرے لئے عثمان رضی اللہ عنہ کی خوبیاں اور علی رضی اللہ عنہ کی برائیاں جامع الفاظ میں لکھ کر قاصد کو دے دو''۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے خط کو پڑھ کر شاہی قاصد کے سامنے ہی بکری کو کھلا دیا اور قاصد سے کہا ''یہی تمہارے

خط کا جواب ہے خلیفہ کو بتا دینا''۔ قاصد نے جب لکھنے کے لئے بہت اصرار کیا تو انہوں نے لکھا: ''امیر المومنین ! اگر عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات میں دنیا بھر کی خوبیاں جمع ہو جائیں تو اس سے تمہاری ذات کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں دنیا کی تمام برائیاں اکٹھی ہو جائیں تو وہ تمہاری ذات کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ تم بس اپنے نفس کی خبر رکھو''۔

(شذرات الذہب جلد اول)

☆☆☆

حضرت یحییٰ بن یعمر لیثی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت یحییٰ بن یعمر لیثی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۹ھ/۷۳۷ء) کو خاندان رسالت سے گہری عقیدت تھی، بنو مروان اور انکے اکثر کارندے خاندان اہل بیت سے بغض رکھتے تھے۔ ایک دن وہ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس تشریف رکھتے تھے، اتفاق سے سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت یحییٰ نے بلا خوف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے محاسن بیان کئے۔ حجاج کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتایا جائے۔ اس نے کہا: حسین بن علی رضی اللہ عنہما تو اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے کے مستحق نہیں ہیں''۔

حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: '' آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ ان کو اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے سے خارج کر رہے ہیں؟''

اس نے جواب دیا ''اس لئے کہ حسین رضی اللہ عنہ فاطمہ دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں اور اولاد کا نسب نانا کی طرف منسوب نہیں ہوتا''۔ حضرت یحییٰ نے غصہ کے ساتھ کہا: ''امیر تم جھوٹ بول رہے ہو وہ بیشک اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں آتے ہیں۔ تم ایسا کہہ کر ان کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہو''۔ حضرت یحییٰ کے غصہ کو دیکھ کر حجاج

غضبناک ہوگیا، اس نے لال پیلا ہوکر کہا ''تم بے بنیاد باتیں کرتے ہو، بھلا کہیں نانا کی طرف بھی اولاد منسوب ہوتی ہے۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ قرآن وحدیث سے اس کی دلیل پیش کرو ورنہ ایسا کہنے پر میں تم کو سخت سزا دوں گا''۔

حضرت یحییٰ نے فوراً قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں: ترجمہ: ''اور ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام بخشے اور سب کو ہدایت دی اور ہم نے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی، اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھی (ہم نے ہدایت دی) اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، اور زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو بھی (ہدایت دی) اور یہ سب نیکوکار تھے۔'' (الانعام:۸۵-۸۶)

پھر حضرت یحییٰ نے کہا ''اے امیر! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں شمار کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رشتہ نواسے کا تھا۔ اور وہ تو دور کے رشتہ سے نواسے تھے جب کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نواسے ہیں۔ پھر ان کو کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے زمرے سے خارج کیا جاسکتا ہے؟''

حجاج یہ جواب سن کر بولا ''یحییٰ! تم کو مجھے جھٹلانے کی جرأت کیسے ہوئی، تم کو کس چیز نے میری تکذیب کے لئے ابھارا؟''

حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''قرآن کریم کی اس آیت نے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں سے عہد لیا ہے کہ وہ حق بات کو نہ چھپائیں۔''

اس جواب کے بعد حجاج خاموش ہوگیا۔ (شذرات الذہب جلد اول)

☆☆☆

طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ

ہشام بن عبد الملک ۱۰۵ھ/۷۲۳ء سے ۱۲۵ھ/۷۴۲ء تک خلیفہ رہا، یہ اپنے زمانے کا دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ بڑا مدبر، اولوالعزم اور حوصلہ مند تھا، اسلامی فتوحات کے اعتبار سے اس کا شمار بنی امیہ کے ممتاز خلفاء.... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبد الملک بن مروان..... کے ساتھ ہوتا ہے، ہشام بن عبد الملک پر ہی بنو امیہ کی شان وشوکت ختم ہوگئی۔ اس کے بعد صرف سات سال اور بنو امیہ کی خلافت رہی..... ہشام بن عبد الملک کی خلافت کا زمانہ آنے تک حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما..... کی خلافت کو ایک صدی گزر چکی تھی۔ اب خلفاء میں بہت سی غیر اسلامی باتیں شامل ہوگئی تھیں۔ لوگ دربار میں آتے تھے تو جھک کر آداب پیش کرتے۔ خلیفہ کے ہاتھ چومتے، اس سے چاپلوسی کی باتیں کرتے بڑی عاجزی اور انکساری سے خلیفہ سے مخاطب ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک حج کرنے گیا تو اس نے حضرت طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں طلب کیا، حضرت طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ پہنچے تو دیکھا کہ بڑی شان سے دربار لگا ہے۔ خدم وحشم خلیفہ کی خدمت میں موجود ہیں۔ انہوں نے ان چیزوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ بڑی بے اعتنائی

سے سب چیزوں کو دیکھا۔ دربار کے اندر قالین کے ایک کنارے جوتے اتارے۔ نہایت بے تکلفی سے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر ہشام کی برابر میں جا کر بیٹھ گئے اور بولے'' کیوں ہشام تیرا مزاج تو اچھا ہے۔ مجھے کیوں یاد کیا ہے؟''

ہشام کو طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز پر بہت غصہ آیا۔ اس نے کہا: ''یہ کیا گستاخانہ طریقہ ہے۔ نہ تم نے مجھے امیر المومنین کہہ کر خطاب کیا، نہ مجھے میری کنیت سے پکارا اور نہ میرے ہاتھ چومے''۔

حضرت طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''مجھے جھوٹ بولتے ہوئے شرم آتی ہے اس لئے میں نے آپ کو امیر المومنین کہہ کر نہیں پکارا''۔

''اس میں جھوٹ کیا ہے؟'' ہشام نے حیرت سے پوچھا۔

حضرت طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''چونکہ تمام مسلمان تجھے امیر المومنین نہیں سمجھتے اس لئے اگر میں تجھ کو امیر المومنین کہہ کر پکارتا تو یہ جھوٹ ہوتا''۔

''تم نے مجھے کنیت سے کیوں نہیں پکارا؟''

اس لئے کہ قرآن نے مومنین کے نام بغیر کنیت کے پکارے ہیں جیسے داؤد، سلیمان، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ اور کافروں کے نام کنیت سے پکارے ہیں جیسے ابولہب۔ ''میرے ہاتھ چومنے میں تم کو کیا پریشانی تھی؟'' ہشام نے اگلا سوال کیا۔

میں نے تیرے ہاتھ اس لئے نہیں چومے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ ''ہاتھ صرف بیوی اور بچوں کے چومنا جائز ہے۔''

ہشام کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرنا بڑی جرأت کی بات تھی اس لئے کہ بنو امیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے چڑتے تھے اور ان کے اقوال اور روایات کو نقل کرنے والے پر بھاری عتاب ہوسکتا تھا۔ لیکن طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند مرتبہ بزرگ حق کے بیان کرنے میں کسی سے مرعوب ہونے والے کب تھے۔ وہ سچ بات

کہنے میں خود کو بڑے سے بڑے بادشاہ سے بھی زیادہ طاقتور سمجھتے تھے۔ ہشام بن عبد الملک حضرت طاؤس یمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بے خوفی اور حق گوئی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کی ہمت ان کی کسی بات پر بھی اعتراض کرنے کی نہیں ہوئی۔ وہ صرف اتنا کہہ سکا ''اچھا شیخ مجھے کوئی اچھی بات بتایئے''۔

انہوں نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا: ''ہشام! میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ دوزخ میں بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہوں گے جو ان بادشاہوں کو کاٹیں گے اور ڈنک ماریں گے جو اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہوں گے''۔

یہ کہہ کر اٹھ کر چلے گئے۔ (الغزالی، احیاء العلوم)

☆☆☆

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

قونیہ کا ایک ایک فرد حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو برا بھلا کہہ رہا تھا مگر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی مردِ قلندر کی بارگاہ میں دست بستہ کھڑے تھے۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام محمد شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ شہر تبریز کے حوالے سے شہرت دوام پائی۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ۵۶۰ھ میں بمقام سبزوار (عراق) پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام سید صلاح الدین محمد نوربخش تھا۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب براہ راست حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم و تربیت کے لئے ان کے چچا عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا گیا چچا نے بھتیجے پر بہت محنت کی۔ یہاں تک کہ تفسیر، فقہ اور حدیث کے ساتھ دیگر علوم سے بھی آراستہ کر دیا۔ جب ۵۷۹ھ میں سید صلاح الدین محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ دعوت اسلام کے لئے بدخشاں کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر انیس سال تھی۔ بدخشاں میں ہزاروں لوگوں کو حق کی تعلیم دی۔ پھر ''تبت کو چک'' کی طرف گئے اور سینکڑوں انسانوں کو دین اسلام میں داخل کیا۔ پھر یہاں سے باپ اور بیٹے

نے کشمیر کا رخ کیا۔ اس وقت یہاں کے لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت سید صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے ہزاروں بت پرست باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ اس علاقے کی ''چنگڑ'' قوم نے انہیں بہت پریشان کیا مگر بعد میں یہ لوگ بھی جلد ہی مطیع و فرماں بردار ہو گئے۔

حضرت شمس تبریز کی شادی اور شہزادے کی وفات

۵۸۶ھ میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ والد محترم کے ہمراہ واپس اپنے وطن سبزوار تشریف لے گئے۔ یہاں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ والد محترم کے ہمراہ واپس اپنے وطن سبزوار تشریف لے گئے۔ یہاں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی شادی ہو گئی۔ آپ کے دو فرزند سید نصیر الدین محمد اور سید علاء الدین احمد پیدا ہوئے۔ سید علاء الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ ''زندہ پیر'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حالات و واقعات کے اعتبار سے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ شخصیت بہت زیادہ متنازع نظر آتی ہے۔ آپ نے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی اور تمام عمر ایک عجیب اذیت و کرب میں مبتلا رہے۔ بغداد تشریف لے گئے تو مقامی علماء کو آپ کے خیالات سے شدید اختلاف ہو گیا۔ بادشاہ وقت ان علماء کے زیر اثر تھا نتیجتاً حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو شہر بدر ہونا پڑا۔ ابھی آپ بغداد کی حدود سے نکلے ہی تھے کہ اچانک بادشاہ کا بیٹا بیمار پڑا اور دوسرے دن مر گیا۔ بادشاہ کو خیال گزرا کہ شاید یہ المناک واقعہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے بدسلوکی کے باعث رونما ہوا ہے مجبوراً اس نے اپنے مشیران خاص کو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں روانہ کرتے ہوئے کہا: ''کوئی بھی صورت ہو انہیں بغداد واپس لاؤ''۔ بادشاہ کا حکم پاتے ہی مشیران خاص برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر دوڑ پڑے۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ابھی بغداد کے نواح میں مقیم

تھے کہ شاہی قاصدوں نے انہیں جالیا اور پھر دست بستہ عرض کیا۔ ''حضور! آپ بغداد واپس تشریف لے چلیں''۔ شاہی کارندوں کی درخواست سن کر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر اذیت کا رنگ ابھر آیا۔ ''کل جس جگہ سے مجھے ذلیل کر کے نکال دیا گیا آج اسی مقام پر واپس جانے کیلئے کہہ رہے ہو؟ آخر تم لوگوں پر کیا افتاد پڑی ہے کہ مجھ خانہ بدوش کا خیال آ گیا''۔

''ہمارے بادشاہ کا یہی حکم ہے۔'' شاہی کارندوں نے خوشامدانہ لہجے میں عرض کیا۔ ''میں تو بس ایک بادشاہ کا حکم مانتا ہوں''۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے بے نیازانہ کہا۔ ''باقی بادشاہوں کو میں نہیں جانتا''۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے انکار سے صورتحال بگڑ گئی تھی۔ شاہی کارندے ایک مردقلندر کے قدموں سے لپٹ گئے اور بہت دیر تک عاجزی کا مظاہر کرتے رہے۔ آخر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو ان لوگوں پر رحم آ گیا۔ پھر یہ کہتے ہوئے شاہی کارندوں کے ساتھ ہو گئے۔ ''چلو! تمہارے کہنے سے چلتا ہوں مگر بغداد کے لوگ زیادہ دن تک مجھے برداشت نہیں کر سکیں گے''۔

جب حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ شاہی محل میں پہنچے تو وہاں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ تمام درباری سیاہ لباس پہنے ہوئے اپنے ولی عہد سلطنت کی موت کا سوگ منا رہے تھے۔ بادشاہ بڑے احترام کے ساتھ پیش آیا مگر اس کے چہرے پر غم واندوہ کا دھواں پھیلا ہوا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

''یہ سب کچھ کیا ہے؟'' حضرت شمس تبریزh نے بادشاہ سے دریافت کیا۔ ''پورا شہر ماتم کدہ کیوں بنا ہوا ہے؟ کچھ دن پہلے جب میں یہاں سے گیا تھا تو بغداد کے درودیوار کیف ونشاط سے جھوم رہے تے مگر آج یہاں قبرستان جیسا سناٹا ہے''۔

بادشاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر اس کمرے میں پہنچا جہاں اس کے محبوب بیٹے کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے سوالیہ نظروں سے بادشاہ کی طرف دیکھا۔

''یہ میرے جواں مرگ بیٹے کی میت ہے''۔ بادشاہ نے نمناک آنکھوں اور لرزتے ہوئے لہجے کے ساتھ کہا۔ ''آپ کے بغداد سے جاتے ہی یہ اچانک بیمار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے آغوش فنا میں چلا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی گستاخی کا شاخسانہ ہے جو میں نے آپ کی شان میں روا رکھی تھی''۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مسکرانے لگے۔ ''درویش کے ساتھ لوگ گستاخی سے پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ مجھے آپ سے بھی کوئی شکایت نہیں''۔

بادشاہ بہت دیر تک معذرت طلب کرتا رہا۔ ''میں نے گزشتہ باتوں کو فراموش کر دیا''۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بے نیازی کے ساتھ کہا۔ ''اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دل آزاری کے سبب میرا بیٹا اس انجام تک پہنچا ہے''۔ شدت غم سے بادشاہ کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''فی الواقع اگر یہی بات ہے تو آپ کے بیٹے کو سزا کیوں ملی؟ گناہ تو آپ نے کیا تھا''۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ممکن ہے کہ قدرت نے میرے لئے یہی سزا منتخب کی ہو کہ میں تمام عمر بیٹے کی جدائی میں تڑپتا رہوں''۔ بادشاہ کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور تیزی آ گئی تھی۔ ''اللہ اپنے رازوں کو خود ہی بہتر جانتا ہے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟'' حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم بغداد سے سوال کیا۔ ''میری درخواست ہے کہ آپ میرے بیٹے کے حق میں دعائے خیر فرما دیں''۔ بادشاہ نے بڑے عاجزانہ لہجے میں عرض کیا۔ ''ہوسکتا ہے کہ آپ کی دعاؤں سے میرے بیٹے کی زندگی مل جائے''۔ ''ایسا ہوتا تو نہیں ہے جو چلا گیا سو چلا

گیا''۔حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔''پھر بھی تمہاری تالیف قلب کے لئے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کئے دیتا ہوں''۔ یہ کہہ کر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں بند کرلیں پھر آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔''اے اللہ! اگر تو نے اس لڑکے پر میری دل آزاری کے باعث موت مسلط کردی ہے تو میں اسے معاف کرتا ہوں تو بھی اس عاجز بندے محمد شمس الدین کی خاطر اپنے بے پناہ اور بے مثال فضل وکرم کا مظاہرہ کر اوراس بچے کو معاف فرمادے''۔

اور شہزادہ زندہ ہوگیا

ابھی ایوان شاہی کے ایک کمرے میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ شاہزادے کے جسم کو جنبش ہوئی پھر وہ اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیرت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

بادشاہ بغداد کچھ دیر تک حیرت وسکوت کے عالم میں کھڑا رہا کبھی وہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھتا اور کبھی اپنے محبوب بیٹے کی طرف جو وادیٔ فنا میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ یکا یک شاہ بغداد کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ یہ خوشی اور عقیدت کے آنسو تھے پھر فرمانروائے بغداد حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں جھک گیا۔''یہ سب کچھ آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے''۔''ہرگز نہیں!'' حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ بغداد کو اٹھاتے ہوئے کہا۔''یہ تو اس قادر مطلق کی کرم نوازی کا ادنیٰ مظاہرہ ہے جو اپنی ذات میں لاشریک ہے بس اسی کا شکر ادا کرو اور اس کی تسبیح بیان کرو''۔ یہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی کرامت تھی مگر یہی کرامت ان کے لئے وبال جاں بن گئی۔ جب علمائے بغداد کو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی واپسی اور شہزادے کے زندہ ہونے کی خبر ملی تو وہ دوبارہ ایک نئے

منصوبے کے ساتھ اس مرد قلندر کے خلاف صف آرا ہوگئے۔ کہا گیا کہ یہ شعبدہ بازی ہے اور اسلام میں شعبدہ بازی کی کوئی گنجائش نہیں۔ شاہ بغداد نے بڑے دلائل کے ساتھ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع کیا۔''اگر یہ شعبدہ بازی ہے تو پھر آپ میں سے کوئی شخص بغداد کے عوام کے سامنے ایسا کوئی مظاہر پیش کردے پھر میں سمجھ لوں گا کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ شعبدہ باز ہیں''۔

اور شمس تبریز کی کھال کھینچ لی گئی

''ہم اہل ایمان ہیں اور ہمیں شعبدہ بازی سے کوئی نسبت نہیں''۔علمائے بغداد نے بیک زبان کہا۔''شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے اپنی ساحرانہ قوتوں سے شہزادے کو بے ہوش کردیا تھا پھر خود ہی جادو کے اثرات کو زائل کردیا۔ نتیجتاً شہزادہ ہوش میں آگیا اور سادہ لوح عوام سمجھنے لگے کہ ولی عہد سلطنت ایک مرد خدا کی دعاؤں سے دوبارہ زندہ ہوگیا۔ یہ سب فریب نظر ہے اسی کو شعبدہ بازی کہتے ہیں اور اسی کا نام جادوگری ہے۔ اگر وہ شخص ایسا ہی مستجاب الدعوات ہے تو پھر کسی قبرستان میں جاکر دعا کے لئے ہاتھ اٹھادے اور ان مردوں کو زندہ کردے جو برسوں سے گہری نیند سو رہے ہیں''۔

عجیب کج بحثی کی فضا تھی۔ شاہ بغداد نے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی بہت حمایت کی مگر علمائے بغداد یہی کہتے رہے۔''وہ ایک ساحر ہے اور اسلام میں ساحری حرام ہے''۔ بالآخر ایک طویل بحث کے بعد علمائے بغداد نے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگادیا اور مطالبہ کیا کہ ان کی کھال کھنچوا کر بغداد سے باہر نکال دیا جائے۔

بغداد کے تمام اراکین سلطنت بھی علماء کے ہمنوا تھے۔ انجام کار بادشاہ کی مرضی کے خلاف بھرے مجمع میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی کھال کھینچ لی گئی اور اس حالت میں بغداد سے نکال دیا کہ پورا جسم لہولہان تھا۔ ولی عہد سلطنت شہزادہ محمد کو

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت تھی جب آپ شہر بدر ہوئے تو شہزادہ محمد بھی آپ کے ہمراہ تھا رخصت ہوتے وقت اس نے اپنے امرائے سلطنت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

''جس ملک میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحب کمال کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے وہ ایک لعنت کدہ ہے اور میں اس لعنت کدے میں سانس لینا بھی گناہ سمجھتا ہوں''۔ یہ کہہ کر شہزادہ محمد حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بغداد کی حدود سے نکل گیا۔ بغداد سے نکل کر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور طویل مسافت طے کر کے ملتان پہنچے اور پھر اسی تاریخی شہر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس وقت مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ملتانی حیات تھے۔ جب آپ کو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کی اطلاع ملی تو شیخ نے ان کی خدمت میں دودھ کا پیالہ بھیجا۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے احترام کے ساتھ پیالہ لے لیا اور پھر اس میں گلاب کا پھول ڈال کر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم کو واپس کر دیا۔ بعض اہل تصوف نے اس واقعے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دودھ کا لبریز پیالہ بھیجنے سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ تھی کہ ملتان میں اب کسی دوسرے درویش کی گنجائش نہیں۔ جواب میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے دودھ کے پیالے میں گلاب کا پھول ڈال دیا اس سے ان کا مقصد تھا کہ وہ ملتان میں پھول بن کر رہیں گے یعنی ان کی ذات سے کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

پورا شہر آگ کی بھٹی بن گیا

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد پر قائم رہے مگر ملتان کے لوگوں نے بھی اہل بغداد کی طرح آپ کی شدید مخالفت کی۔ ایک بار یوں ہوا کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو

گوشت بھوننے کے لئے آگ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے شہزادہ محمد کو آگ لانے کے لئے بھیجا مگر پورے شہر میں کسی نے آگ نہیں دی۔ ایک سنگدل شخص نے تو شہزادے کو اتنا مارا کہ اس کے دلکش چہرے پر زخموں کے نشانات ابھر آئے۔ ''یہ کیا ہے؟'' حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے شہزادے محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم تو آگ لینے گئے تھے؟''

شہزادہ محمد نے پورا واقعہ سنایا تو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو جلال آ گیا۔ آپ نہایت غصے کی حالت میں اپنی خانقاہ سے نکلے۔ گوشت کا ٹکڑا ہاتھ میں تھا۔ پھر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان پر نظر کی اور سورج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''تو بھی شمس! میں بھی شمس! میرے اس گوشت کے ٹکڑے کو بھون دے''۔

اتنا کہنا تھا کہ یکا یک گرمی کی شدت میں اضافہ ہو گیا پھر یہ گرمی اتنی بڑھی کہ اہل ملتان چیخ اٹھے، در و دیوار جل رہے تھے اور پورا شہر آگ کی بھٹی بن کر رہ گیا تھا۔

کچھ باخبر لوگوں نے یہ صورتحال دیکھی تو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ ''کیا چند نادانوں کے جرم کی سزا پورے شہر کو دے ڈالیں گے''۔ ''یہ نادان نہیں، سفاک ہیں''۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے غضب ناک لہجے میں فرمایا۔ ''آگ جیسی بے قیمت چیز نہیں دے سکے میرے محبوب کے چہرے کو زخموں سے سجا دیا۔ آخر کیا جرم تھا اس کا؟ جانتے ہو اسے یہ کون ہے؟ بغداد کا شہزادہ ہے۔ میری خاطر دروازے دروازے بھیک مانگنے گیا۔ میں اس کے زخموں کو کیسے بھول سکتا ہوں؟ جب تک سارے شہر کے جسم آبلوں سے نہیں بھر جائیں گے اس وقت تک مجھے قرار نہیں آئے گا''۔

''یہ آپ کے مقام سے واقف نہیں۔ خدا کے لئے انہیں معاف فرما دیجئے''۔ ملتان کے دانائے راز حضرات نے اپنے ہم وطنوں کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔ ''اور

یہ بات آپ جیسے بزرگ کے شایان شان بھی نہیں''۔ ''خیر! جب خدا کو درمیان میں لے آئے تو معاف کئے دیتا ہوں''۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے مقامی لوگوں کی جماعت سے فرمایا اور پھر سورج سے مخاطب ہوئے ''اپنی حرارت کم کردے۔ پتہ نہیں یہ لوگ روز حشر گرمی کو کیسے برداشت کریں گے؟'' آپ کا یہ فرمانا تھا کہ سورج کی حرارت اعتدال پر آ گئی۔

خدا ہی جانتا ہے کہ یہ واقعہ کس طرح پیش آیا تھا مگر عوام ملتان کی گرمی کو اسی واقعے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ۶۷۵ھ میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار مبارک ایک قلعہ نما فصیل کے اندر شیخ محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضے سے کچھ فاصلے پر ہے۔

مشہور مورخ قاسم فرشتہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے تھے ہر چند کہ تاریخ میں فرشتہ ایک معتبر نام ہے مگر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس کی روایت درجۂ اعتبار سے ساقط ہے بعد میں آنے والے مورخین نے اپنی تحقیق سے ثابت کردیا تھا کہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے والد سید صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ اس بزرگ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو فرقہ اسماعیلیہ کا امام تھا مگر انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کردیا تھا۔ دوسرے یہ کہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم و فاضل انسان کبھی اس شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتے جو ان کے عقیدے سے مختلف عقیدہ رکھتا ہو اس لئے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو اسماعیلی کہنا صریحاً غلط ہے۔ دراصل یہ ان لوگوں کی الزام تراشی تھی جن کا ظاہری علم حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی کمالات کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس بحث سے قطع نظر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بابا کمال جندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے لیکن عام صوفیوں کی طرح ''پیری مریدی'' اور ''بیعت وارادت'' کا طریقہ اختیار نہیں کیا، سوداگروں کے انداز میں

شہروں کی سیاحت کرتے رہتے۔ جہاں جاتے کسی سرائے میں ٹھہرتے اور پھر ایک گوشہ پکڑ کر مراقبے میں مصروف ہوجاتے۔

شہر قونیہ میں گرم پانی کا ایک چشمہ تھا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی وہاں غسل کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک بار مولانا نے اس چشمے پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا کچھ مریدوں اور خادموں نے ایک دن پہلے وہاں جا کر آپ کے غسل کے لئے مخصوص جگہ کا انتظام کردیا دوسرے روز جب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لے گئے تو آپ کی آمد سے چند لمحے قبل کچھ جذامی (کوڑھی) اسی مقام پر نہانے لگے خادموں نے خوف ناک مرض میں مبتلا انسانوں کو ڈانٹ کر اس جگہ سے ہٹانا چاہا تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے سختی کیساتھ منع کردیا جب وہ جذامی نہا کر چلے گئے تو آپ نے اسی جگہ کا پانی لے کر غسل کیا اور پھر اپنے خادم سے فرمایا: ''احتیاط اچھی چیز ہے مگر ایسے بیماروں سے نفرت نہیں کرنی چاہئے یہ لوگ بھی کل تک تمہاری طرح خوبصورت جسموں کے مالک تھے''۔

ایک بار محفل سماع آراستہ تھا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نہایت سکون سے عارفانہ کلام سن رہے تھے.... مگر دوسرے لوگوں کا یہ حال تھا کہ کوئی فرش پر تڑپ رہا تھا اور کوئی اپنا گریبان چاک کررہا تھا۔ اتفاق سے ایک شخص نے سماع کا کچھ زیادہ ہی اثر قبول کرلیا اور وہ اپنے ہوش وحواس کو بیٹھا بے خودی حد سے بڑھی تو وہ کسی بسمل کی طرح لوٹنے لگا تڑپتے تڑپتے اس پر ایک شدید کیفیت طاری ہوتی کہ وہ مولانا سے آ کر ٹکرا جاتا اور لوگ اسے پکڑ کر دور کردیتے۔ کچھ دیر تک تو حاضرین نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا لیکن جب اس شخص سے کئی مرتبہ یہی حرکت سرزد ہوئی تو مولانا کے خادموں نے اسے پکڑا اور محفل میں دور لے جا کر بٹھادیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ آپ نے اپنے خدمت گاروں سے تلخ لہجے میں فرمایا: ''شراب اس نے پی

ہے اور مستی تم کر رہے ہو''؟ ایک بار مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی شریک حیات نے اپنی ملازمہ کو سخت سزا دی۔ اتفاقاً مولانا بھی اسی وقت تشریف لے آئے۔ بیوی کو یہ حرکت دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور غم زدہ لہجے میں فرمانے لگے۔ ''تم نے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا یہ اسی کی ذات پاک ہے جو غلاموں کو آقا اور آقاؤں کو غلام بنا دیتی ہے۔ ایک لمحے کے لئے اس وقت کا تصور کرو جب تم کنیز ہوتیں اور یہ عورت مالکہ کی حیثیت رکھتی، پھر تمہارا کیا حال ہوتا؟''

مولانا کی یہ اثر انگیز گفتگو سن کر شریک حیات نے اس ملازمہ کو آزاد کر دیا اور پھر جب تک زندہ رہیں، خادماؤں کو اپنے جیسا کھلاتیں اور پہناتیں یہاں تک کہ ہر معاملے میں محبت سے پیش آتیں۔ مولانا رومh کا یہ سلوک انسانوں ہی کیلئے مخصوص نہیں تھا۔ آپ تو اس بارش کی طرح تھے جو سبزہ وگل کے ساتھ پتھر کی چٹانوں پر بھی برستی ہے۔ ایک بار امیر شہر معین الدین پروانہ کے یہاں محفل سماع جاری تھی کسی معزز خاتون نے شرکائے مجلس کی تواضع کے لئے مٹھائی کے دو بڑے طباق بھیجے۔ بیشتر حاضرین کلام معرفت میں کھوئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے کسی کی نظر پڑی تو اس نے بلند آواز میں کتے کو ڈانٹ کر بھگانا چاہا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جو بہت دیر سے آنکھیں بند کئے سماع کی کیفیات میں گم تھے چیخ سن کر چونک پڑے اور جب یہ منظر دیکھا تو اس شخص کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا جو کتے کو بھگانے کی کوشش کر رہا تھا کتنے نے گھبرا کر شیرینی کھانی شروع کر دی اور پھر کچھ مٹھائی کے دانے منہ میں دبا کر محفل سے چلا گیا کتے کے جانے کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اسکی بھوک تم لوگوں کے مقابلے میں تیز تھی اس لئے مٹھائی پر بھی اسی کا حق زیادہ تھا''۔

مولانا روم کا لوگ بڑا اکرام کرتے تھے

ایک بار مولانا اپنے مریدوں کے ہمراہ ایک تنگ گلی سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے وہاں ایک کتا اس طرح سو رہا تھا کہ راستہ بند ہو گیا تھا۔ مولانا چلتے چلتے رک گئے۔ اچانک ایک شخص جو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو جانتا تھا گلی کی دوسری جانب سے آ رہا تھا۔ اس نے مولانا کو کھڑا دیکھ کر کتے کے پتھر مارا۔ وہ چیختا ہوا بھاگ گیا..... راستہ تو صاف ہو گیا لیکن مولانا کے چہرے پر دلی تکلیف کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اے بندۂ خدا! تو نے ایک جانور کی دل آزاری کر کے کیا پایا؟ میں کچھ دیر اس کے جاگنے کا انتظار کر لیتا''۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں دل آزاری گناہ عظیم تھی۔ اگر کوئی چیونٹی بھی آپ کے پیروں کے نیچے آ کر کچل جاتی تو مولانا کو بہت دکھ ہوتا اکثر اوقات لوگوں کا دل رکھنے کے لئے بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر لیتے۔ ایک مرتبہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بازار سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے آپ کو آتا دیکھا تو اپنی اپنی دکانوں پر احتراماً کھڑے ہو گئے جب کچھ لڑکوں کی آپ پر نظر پڑی تو وہ بھاگتے ہوئے آئے اور مولانا کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔ مولانا بچوں کو خوش کرنے کے لئے جواباً ان کے ہاتھ چوم لیتے۔ ایک لڑکا کسی کام میں مشغول تھا اس نے چلا کر کہا: ''مولانا ابھی جایئے گا نہیں میں ذرا کام سے فارغ ہو جاؤں''۔ مولانا نے اس کی آواز سنی اور مسکرانے لگے پھر آپ بہت دیر تک اس لڑکے کے انتظار میں کھڑے رہے جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو اس نے مولانا کے ہاتھوں کو بوسہ دیا تب آپ تشریف لے گئے۔ اسی طرح ایک دن بھرے بازار میں دو آدمی لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو فحش گالیاں دے رہے تھے ان میں سے ایک کہہ رہا تھا: ''او شیطان! اگر تو ایک کہے گا تو دس سنے گا.....''

زمین بھوکی ہے لقمۂ تر چاہتی ہے

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس طرف سے گزر رہے تھے آپ اس شخص کے قریب گئے اور فرمایا: ''بھائی تمہیں جو کچھ کہنا ہے مجھے کہہ ڈالو اگر تم ہزار کہو گے تو جواب میں ایک بھی نہ سنو گے''۔ مولانا کے حسن کلام نے دونوں کو شرمندہ کر دیا یہاں تک کہ وہ باہمی رنجش کو ختم کر کے آپس میں دوست ہو گئے۔ یہ تھے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ جو نصف صدی تک بے شمار بندگان خدا کا روحانی علاج کرتے رہے۔ مگر یہ قدرت کا ایک عجیب نظام ہے کہ وقت معلوم پر بیماروں کی طرح مسیحا کو بھی دنیا سے رخصت ہونا پڑتا ہے..اور اب وہی سنگین وقت نزدیک آ پہنچا تھا۔ یہ ۶۷۲ھ کا واقعہ ہے۔ ایک دن قونیہ میں زبردست زلزلہ آیا۔ لوگ خوف و دہشت سے چیخنے لگے پھر مسلسل چار دن زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کئے جاتے رہے۔ شہر میں ایک قیامت سی برپا تھی قونیہ کے کسی باشندے کو بھی اپنی اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں تھا کہ کب زمین میں شگاف پڑے اور وہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ ملک عدم روانہ ہو جائے۔ اس مسلسل اذیت ناک صورتحال سے گھبرا کے اہل شہر مولانا رومؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے دعا کی درخواست کرنے لگے۔ مولانا رومؒ نے حسب عادت دلنواز تبسم کے ساتھ فرمایا: ''زمین بھوکی ہے لقمۂ تر چاہتی ہے۔ انشاء اللہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی''۔ پھر لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''کوئی شخص ہراساں نہ ہو۔ جس پر گزرنا ہے گزر جائے گی۔'' انسانی ہجوم مطمئن ہو کر اپنے گھروں کو چلا گیا۔ مولانا کے اس ارشاد کے بعد ہی زلزلہ تھم گیا تھا۔ شہر قونیہ کی گم شدہ رونق لوٹ آئی تھی.....مگر دوسرے دن ایک خبر نے لوگوں سے یہ ساری خوشیاں چھین لیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اچانک شدید بیماری کا شکا ہو گئے تھے پورا شہر عیادت کیلئے امڈ آیا۔ بہترین طبیبوں نے علاج کیا لیکن

مرض لحظہ بہ لحظہ بڑھتا گیا۔ مریدوں اور خادموں نے رو رو کر کہا: ''آپ کی دعاؤں سے بے شمار مریضوں نے صحت پائی ہے آج آپ ہماری خاطر اپنی صحت کیلئے دعا فرما دیجئے''۔ مولانا نے عقیدت مندوں کی گفتگو سن کر دوسری طرف منہ پھیر لیا حاضرین سمجھ گئے کہ وقت آخر قریب آ پہنچا ہے.....اور پھر ایسی ہی ہوا دوسرے دن غروب آفتاب سے ذرا پہلے مولانا رومؒ اپنے خدا کی وحدانیت اور خاتم النبیین ﷺ کی رسالت پر گواہی دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ قونیہ میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ ہزاروں انسانوں نے شدت غم سے اپنے گریبان پھاڑ ڈالے جنازہ اٹھا تو انسانوں کا ایک سیل رواں تھا جو اپنے روحانی پیشوا کو آہوں اور اشکوں کی آخری نذر پیش کرتا ہوا قبرستان کی طرف جا رہا تھا، بادشاہ وقت بھی جنازے میں شریک تھا، میت کے آگے سیکڑوں عیسائی اور یہودی بھی انجیل اور توریت مقدس کی آیات پڑھتے ہوئے چل رہے تھے۔ ان غیر مسلموں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ اور ہونٹوں پر جانگداز نوحے تھے۔ بادشاہ نے ان عیسائیوں اور یہودیوں کی یہ حالت زار دیکھ کر پوچھا: ''تمہیں مولانا سے کیا نسبت ہے''۔ جواب میں عیسائی اور یہودی علماء نے کہا: ''یہ تمہاری طرح ہمارا بھی محبوب ہے''۔ مولانا رومؒ کی عظمت کی یہ ایسی روشن دلیل تھی، جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ انہیں زیر زمین سوئے ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ مگر آج بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ زندہ ہیں۔ کوئی خوش الحان قاری مثنوی مولانا رومؒ کے اشعار پڑھتا ہے تو اہل دل یہی سمجھتے ہیں کہ مولانا ہمارے درمیان موجود ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ ذہنی اعتبار سے آخری سانس تک مولانا کے زیر اثر رہے۔ یہاں تک کہ علامہ نے اس مرد جلیل کو ''پیر روم'' کہہ کر پکارا اور ہمیشہ اس روحانی شاگردی پر نازاں تھے:

صحبت پیر روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش　　لاکھ حکیم سر بہ جیب ایک کلیم سر بکف

☆☆☆

ابوحازم سلمہ بن دینار

بادشاہ: اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک جمادی الاخری ۹۶ھ میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ۱۰ر صفر ۹۹ھ کو وفات ہوئی۔

عالم ربانی: ابوحازم سلمہ بن دینار الاعرج المدنی جن کی زبان پر حکمت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ وفات ۱۴۰ھ۔

سنن دارمی میں باب فی اعظام العلم ۱ر۱۶۳ پر ضحاک بن موسیٰ سے نقل کیا ہے کہ سلیمان بن عبد الملک مکہ معظّمہ جاتے ہوئے مدینہ طیبہ سے گذرے اور چند دن مدینہ شریف میں قیام کیا لوگوں سے تحقیق کی کہ کیا مدینہ منورہ میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی رسول کو پایا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ابوحازم (سلمہ بن دینار موجود ہیں، جنہوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی صحبت پائی ہے) بادشاہ سلیمان نے آپ کو بلوایا اور کہا کہ یہ کیا ستم ہے اے ابوحازم! ابوحازم نے کہا کہ امیر المومنین آپ نے میرا کون سا ستم دیکھا؟

سلیمان: ستم یہ ہے کہ میں مدینہ منور آیا تو یہاں کے وجاہت والے حضرات مجھ سے ملنے آئے اور آپ نہیں آئے۔

ابوحازم: اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات سے پناہ میں رکھے کہ جو بات نہ ہوئی ہو وہ آپ بولیں، آج سے پہلے تو آپ ے نہ مجھ کو پہچانا اور نہ میں نے آپ کو دیکھا۔ سلیمان یہ سن کر امام زہری کی طرف دیکھنے لگے، امام زہری نے کہا کہ بزرگ محترم نے سچ اور درست کہا آپ سے غلطی ہوئی۔ سلیمان نے پوچھا کہ بتایئے کیا بات ہے کہ ہم لوگ موت کو ناپسند کرتے ہیں؟

ابوحازم: آپ لوگوں نے دنیا کو آباد کیا ہے اور آخرت کو اجاڑا ہے اس لئے آپ لوگوں کو آبادی سے نکل کر اجاڑ میں جانا پسند نہیں ہے۔

سلیمان: آپ نے سچ کہا، کل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے پیشی ہوگی؟

ابوحازم: نیکوکار تو ایسے جائیں گے جیسے کوئی غائب شخص اپنے گھر والوں کے پاس خوشی خوشی جاتا ہے اور بدکار ایسے جائے گا جیسے کوئی بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے سامنے پکڑ کر لایا جاتا ہے۔

سلیمان: رو پڑے پھر کہا: کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے پاس ہمارے لئے کیا ہے؟ ابوحازم: اپنے عمل کو اللہ کی کتاب پر پیش کیجئے معلوم ہو جائے گا۔

سلیمان: کس آیت میں مجھے یہ ملے گا؟

ابوحازم: اس آیت میں "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ" بے شک نیکوکار نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں۔ سلیمان: اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے۔ اے ابوحازم!

ابوحازم: اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب ہے۔

سلیمان: اے ابوحازم اللہ کے بندوں میں سے کون زیادہ مکرم ہے؟

ابوحازم: جو لوگ مروت اور عقل والے ہیں۔

سلیمان جو لوگ مروت اور عقل والے ہیں۔

سلیمان: اعمال میں سب سے زیادہ فضیلت والا کون سا عمل ہے؟

ابوحازم: حرام چیزوں سے بچتے ہوئے فرائض کو ادا کرنا۔

سلیمان: کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟

ابوحازم: احسان کئے ہوئے شخص کی دعا جب وہ اپنے محسن کے لئے دعا کرے۔ سلیمان: کون سا صدقہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟

ابوحازم: جو صدقہ نادار کے مقدور بھر ہو اور ایسے سائل کو دیا جائے جو بدحال ہو پھر نہ سائل پر احسان رکھے اور نہ اس کو تکلیف پہنچائے۔

سلیمان: کون سی بات زیادہ انصاف والی ہے؟

ابوحازم: وہ سچی بات جو اس شخص سے کرے جس سے تو ڈرتا بھی ہو اور امید بھی رکھتا ہو۔ سلیمان: کون مومن سب سے زیادہ عقل مند ہے؟

ابوحازم: جو اللہ کی فرمانبرداری کرے اور لوگوں کو اللہ کی فرمانبرداری سکھائے۔ سلیمان: کون مومن سب سے زیادہ بے وقوف ہے؟

ابوحازم: وہ جو اپنے بھائی کی خواہش نفس میں خود گر جائے جب کہ اس کا بھائی ظالم ہو پس اس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلہ گنوا دیا۔

اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے کہا یہ سب تو آپ نے ٹھیک فرمایا اچھا ہم لوگ جس حکومت میں مشغول ہیں اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوحازم نے کہا امیر المومنین! میں رائے زنی سے معافی چاہتا ہوں اس میں مجھ سے نہ بلوایئے۔

سلیمان: نہیں نہیں آپ کی خیر خواہی کی باتیں میں چاہتا ہوں جو مجھے آپ کی رائے دینے کی وجہ سے معلوم ہوگی۔ اس پر ابوحازم نے فرمایا: امیر المومنین آپ کے باپ دادا نے لوگوں کو تلوار سے مغلوب کر دیا اور زبردستی حکومت حاصل کر لی نہ

مسلمانوں سے مشورہ کیا نہ مسلمان ان سے راضی رہے یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا، پھر سب چھوڑ چھاڑ کر دنیا سے روانہ ہو گئے۔ پھر ان لوگوں نے کیا کہا اور ان کو کیا جواب دیا گیا (یعنی مرنے کے بعد) کاش آپ اسی کو معلوم کر لیں۔

اس پر مجلسی لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ اے ابوحازم تم نے بہت بری بات کہی۔ ابوحازم نے جواب دیا: ہرگز نہیں، آپ نے ہی غلطی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو پابند بنایا ہے کہ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں اور کچھ نہ چھپائیں۔

اس پر سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ ابوحازم! اب ہم کیسے درست ہو سکتے ہیں؟ ابوحازم: آپ لوگ تکبر کو چھوڑیئے اور مروت کو اختیار کیجئے اور مال کو برابر تقسیم کیجئے۔ سلیمان: مال حاصل کرنے کے ذرائع کیسے ہوں؟

ابوحازم: حلال جگہ سے لے کر اہل پر خرچ کیجئے (یعنی جو مال لینے کا اہل اور مستحق ہو اس کو دیجئے)

اسکے بعد سلیمان نے کہا ابوحازم! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں تا کہ ہم آپ سے علم و حکمت حاصل کریں اور آپ ہم سے اپنی دنیاوی ضروریات حاصل کریں؟ ابوحازم: میں اس سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔

سلیمان: کیوں؟

ابوحازم: مجھ کو یہ خوف ہے کہ میں آپ لوگوں کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاؤں پس اللہ تعالیٰ زندگی کا دوگنا اور موت کا دوگنا عذاب چکھا دے۔

سلیمان: اچھا آپ اپنی حاجت میرے سامنے پیش فرمائیں۔

ابوحازم: آپ مجھ کو جہنم سے نجات اور دلوا دیجئے اور جنت میں داخل کروا دیجئے۔ (یہی میری حاجت ہے)۔ سلیمان: یہ تو میرے بس میں نہیں ابوحازم: تب میری کوئی حاجت آپ سے متعلق نہیں۔

سلیمان: آپ میرے لئے دعا کر دیجئے۔

ابوحازم: اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ سُلَیْمَانَ وَلِیَّکَ فَیَسِّرْہُ لَخَیْرِ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ، وَاِنْ کَانَ عَدُوَّکَ فَخُذْ بِنَاصِیَتِہٖ اِلٰی مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی.

یا اللہ اگر سلیمان تیرا دوست ہو تو اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی میسر فرما اور اگر تیرا دشمن ہو تو اسکی پیشانی پکڑ کر اس طرف کھینچ لائیے جس کو تو محبوب سمجھتا ہے اور جس سے تو خوش ہے۔ سلیمان: اچھا بس کیجئے۔

ابوحازم: میں نے مختصراً بہت ساری نصیحتیں کر دیں اگر تم نصیحت کے لائق ہو، اور اگر اس کے لائق نہیں تو سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکا جاتا۔

سلیمان: اچھا اب کچھ آخری نصیحت کر دیجئے۔

ابوحازم: اپنے رب کی عظمت دل میں رکھئے اور دل کو اس چیز سے صاف رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جگہ موجود ہونے سے آپ کو منع کیا ہو اس جگہ آپ کو دیکھے اور جس جگہ آپ کو موجود ہونے کا حکم دیا ہے اس جگہ آپ کو نہ پائے۔

ابوحازم یہ فرما کر وہاں سے واپس ہو گئے تو سلیمان نے سو اشرفیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں کہ یہ آپ خرچ کریں اور آپ کے لئے ہمارے پاس ابھی بہت کچھ ہے۔ ابوحازم نے اشرفیاں واپس کر دیں اور ایک پرچہ لکھ دیا جس میں یہ تھا:

اے امیر المومنین میں آپ کو اللہ کی پناہ میں اس بات سے دیتا ہوں کہ آپ کا مجھ سے سوال کرنا مذاق رہا ہو اور میرا جواب صرف زبانی جمع خرچ ہو، اور یہ اشرفیاں تو مجھ کو آپ کے پاس ہونا بھی گراں ہے تو اس بوجھ کو میں اپنے پاس کیسے رکھوں؟ اور خط میں یہ بھی لکھا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام فرعونیوں کے خوف سے بھاگ کر جب شہر مدین میں پہنچے تو شہر سے باہر چشمہ تھا وہاں دیکھا کہ تمام چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو لڑکیوں کو دیکھا کہ چرواہوں سے الگ اپنے

جانوروں کو روکے ہوئے ہیں ان سے موسیٰ علیہ السلام نے روکنے کی وجہ پوچھی لڑکیوں نے بتایا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک چرواہے پانی پلا کر واپس نہ ہو جائیں اور ہمارے والد بوڑھے ضعیف ہیں اس لئے وہ جانوروں کو لے کر نہیں آ سکتے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری ہمت سے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر سایہ میں واپس آ کر دعا کی یا اللہ جو بھی بھلائی آپ مجھے عطا فرما دیں میں اس کا محتاج ہوں اور بات یہ تھی کہ موسیٰ کو بھوک لگ رہی تھی اور ڈر بھی رہے تھے کہ کہیں فرعونی میرا پیچھا نہ کر رہے ہوں اس وقت بھی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو پکارا اور مخلوق سے کچھ نہیں مانگا، مگر اس مانگنے کی گہرائی کو لڑکیاں تو سمجھ گئیں اور چرواہے نہیں سمجھے، جب یہ لڑکیاں اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس لوٹ کر پہنچیں تو پورا واقعہ اپنے والد کو بتایا اور موسیٰ کی دعا کا بھی ذکر کیا تو حضرت شعیب نے کہا کہ وہ آدمی بھوکا ہے جاؤ اس کو بلا لاؤ تو ان میں سے ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور نہایت احترام سے چہرہ ڈھانک کر بولی: اَنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَمَا سَقَیْتَ لَنَا

میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ ہماری خاطر جو آپ نے جانوروں کو پانی پلایا اس کا بدلہ آپ کو دیدیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو بدلہ دینے کی بات بہت شاق گذری پھر بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے کو اختیار کیا کہ پہاڑی کے بیچ خوف و وحشت کے ساتھ قیام کرنے سے تو یہ اچھی ہی ہے۔ اب آگے آگے لڑکی رہبری کرتے ہوئے چل رہی ہے اور پیچھے حضرت موسیٰ علیہ السلام چلنے لگے، ہوا زوروں کی چل رہی تھی لڑکی کا کپڑا اڑ کر پیٹھ پر چلا جاتا ہے اور پیچھا کھل کھل جاتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام منھ کبھی دائیں، کبھی بائیں گھما لیتے ہیں اور کبھی آنکھ بند کر لیتے ہیں جب بار بار یہی ہو رہا ہے تو لڑکی کو پکارتے اور کہتے ہیں اللہ کی بندی تو پیچھے پیچھے چل اور میں آگے چلوں گا تم راستہ بتاتی رہنا۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہاں شام کا کھانا تیار رکھا تھا حضرت

شعیب علیہ السلام نے کہا او جوان بیٹھ کر کھانا کھالے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانے سے انکار کر دیا اور اللہ کی پناہ طلب کی حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا کیوں نہیں کھاتے کیا تم بھوکے نہیں ہو! موسیٰ علیہ السلام، بھوکا تو ضرور ہوں لیکن مجھ کو یہ خدشہ ہے کہ کہیں پانی پلانے کی اجرت نہ ہو اور ہم ایسے لوگ ہیں کہ نیک کام کا بدلہ زمین بھر سونے سے ملے تو ہم بدلہ نہیں لیا کرتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام یہ بات نہیں ہے بلکہ اور ہمارے بڑوں کی عادت ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور انکو کھانا کھلاتے ہیں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔

اے سلیمان اگر یہ ایک سو دینار میری اس نصیحت کے بدلہ میں ہے جو میں نے آپ کو کی ہے تو اس سے زیادہ پاکیزہ وہ کھانا ہے جس کا حالت اضطراری میں کھانا جائز ہوتا ہے (یعنی مردار وغیرہ) اور اگر یہ ایک دینار میرے اس حق کی وجہ سے ہے جو حق میرا بیت المال میں ہے تو میرے جیسے اور بھی بہت سے لوگ ہیں اگر ان تمام لوگوں کو میرے برابر دیا جائے تب ہی لے سکتا ہوں اور اگر یہ بھی نہیں تو مجھ کو ان دیناروں کی کوئی حاجت نہیں۔

(ماخوذ: از تاریخ اسلام)

☆☆☆

حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

حضرت معاویہ کا دور خلافت تھا، قصر حکومت پوری آب وتاب کے ساتھ آراستہ تھا، بہت سے وفود امیر المومنین کی خدمت میں حاضر تھے، ان سے ملاقات کے لئے دربار تیار کیا جاچکا تا کہ باری باری اجازت دی جائے، جیسے ہی پہلے وفد کو باریابی کی اجازت دی گئی فوراً ان کی بہن ام الحکم بنت ابی سفیان پردہ کے اوٹ میں آ کھڑی ہوئیں تا کہ امیر المومنین کی مجلس میں بیان کی جانے والی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنیں اور جو واقعات، اشعار یا حکمت وموعظت کی باتیں ہوں، ان سے استفادہ کریں۔ وہ بڑی زیرک، بلند ہمت اور حوصلہ مند خاتون تھیں، ان کو معلوم تھا کہ بھائی جان لوگوں کو ان کے حسب مرتبہ آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ پہلے صحابہ کرام پھر تابعین عظام اور ان کے بعد دوسرے اہل علم اور شرفا کی باری آتی ہے لیکن اس میں وہ گرمجوشی نہیں ہے جو ہونی چاہئے، نیز انہوں نے یہ کہتے سنا: ''قسم ہے خدائے پاک کی۔ احنف! جب بھی جنگ صفین کا خیال آتا ہے اور وہ منظر نگاہوں کے سامنے پھرتا ہے کہ تم ہماری جماعت سے الگ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ساتھ کھڑے ہو تو دل کو تکلیف ہوتی ہے اور تاحیات یہ تکلیف باقی رہے گی''۔ تو اس نے جواب دیا:

''معاویہ! وہ دل جس کی وجہ سے ہم نے تم کو ناراض کیا تھا۔ ابھی ہمارے سینوں میں موجود ہیں، اگر آپ جنگ سے ایک انگلی قریب ہوں گے تو ہم ایک بالشت قریب آئیں گے آپ جنگ میں آہستہ آئیں گے تو ہم دوڑ کر آئیں گے، بخدا آپ کے پاس ہم نہ تو داد و دہش کی رغبت میں آئے ہیں اور نہ ظلم وستم کے خوف میں، بلکہ ہم آپ کے پاس آئے ہیں تا کہ آپسی خلیج کو پاٹ دیں اور صلح وصفائی کے ذریعہ مسلمانوں کے اتحاد کو دوبارہ بحال کر دیں''۔ اتنا کہہ کے وہ شخص اپنی جگہ جا بیٹھا۔

معاویہ کی بہن کو برداشت نہ ہوا ذرا سا پردہ کھسکایا تا کہ دیکھیں آخر ہے یہ کون؟ جو خلیفہ کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہا ہے بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے رہا ہے۔ دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی، ایک پست قامت، نحیف وکمزور، سر کے بال جھڑے ہوئے، دانت بے ترتیب، اوپر تلے، ٹھوڑی لٹکی، آنکھیں دھنسی دھنسی، پاؤں میں لنگ، آدمی نہیں بظاہر عیوب کا مجموعہ ہے۔ عرض کیا: امیر المومنین! یہ کون گستاخ ہے جو خلیفہ کو اسی کے گھر میں دھمکیاں دے رہا ہے۔ حضرت معاویہ نے لمبی سانس بھری اور فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے جو اگر خفا ہو جائے تو بنی تمیم کے ایک لاکھ آدمی بغیر کچھ پوچھے خفا ہو جائیں''۔

یہ احنف بن قیس بنی تمیم کے سردار ہیں، عرب کے لخت جگر ہیں، ان کا شمار عرب کے فاتح سورماؤں میں ہوتا ہے۔

آئندہ سطروں میں ہم فاتح اور سردار بنی تمیم کے احوال کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں: ہجرت سے تین سال قبل قیس بن معاویہ سعدی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ضحاک رکھا گیا مگر اس کے پاؤں میں لنگ تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کو ''احنف'' کہہ کے پکارنا شروع کر دیا، یہ لقب نام پر ایسا غالب آیا کہ وہ ضحاک کے بجائے ''احنف'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔

احنف کے والد قیس اپنی قوم میں متوسط درجہ کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ احنف ابھی پاؤں پاؤں چلنے کی عمر کو نہ پہونچے تھے کہ ان کے باپ کو قتل کر دیا گیا اس طرح ان کی پرورش یتیمی میں ہوئی اور ابھی ان کو ریکھیں ہی آئیں تھیں کہ اسلام کی ضیا پاش کرنیں ان کے دل کو منور کرنے لگیں۔ ہوا یہ کہ رسول پاک ﷺ نے اپنی وفات سے چند سال قبل ایک داعی کو احنف کے قبیلے بنی تمیم میں دعوت اسلام کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے پوری قوم کو جمع کیا اور دعوت ایمان وتعلیمات اسلام ان کے سامنے پیش کیں، لیکن قوم کے اندر کوئی جنبش نہ ہوئی سب خاموش ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، مجمع میں احنف بھی موجود تھے۔ کم عمر تھے لیکن اللہ نے ذہانت وذکاوت سے نوازہ تھا جھٹ سے بول پڑے اے قوم والو! کیا بات ہے؟ تم پس وپیش میں ہو؟ شش وپنج میں پڑے ہو؟ بخدا تمہارے پاس آنے والا بھلائی کی دعوت دے رہا ہے اچھے اخلاق کو اپنانے اور برے اخلاق سے دور رہنے کی دعوت دے رہا ہے۔ خدا کی قسم! میں اس کی دعوت میں خیر کے سوا کچھ نہیں پاتا۔

لہٰذا تم اس ہدایت کے داعی کی آواز پر لبیک ہو اور دونوں جہاں کی سعادت سے دامن بھر لو۔ اس تحریض کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور انہیں کے ساتھ یہ نوخیز جوان بھی اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ پھر بنی تمیم کے سربرآوردہ لوگ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن احنف صغرسنی کی وجہ سے اس وفد میں نہ آسکے۔ اور شرف صحابیت سے محروم رہے۔ شرف صحابیت سے تو ضرور محروم رہے لیکن حضور ﷺ کی خوشنودی اور رضا ان کو حاصل رہی۔ حضرت احنف بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص ملا۔ میں اس کو پہچانتا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، میں تم کو بشارت سناؤں؟ میں نے کہا ضرور!

اس نے کہا، تم کو یاد ہے؟ جب اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ کو تمہاری قوم میں ایمان کی دعوت کے لئے بھیجا تھا اور میں تمہاری قوم میں اسلام کی تعلیمات پیش کر رہا تھا، قبول اسلام کی بات کر رہا تھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: جب میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس واپس آیا اور تمہاری بات بتائی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْاَحْنَفِ'' اے اللہ احنف کی مغفرت فرما! چنانچہ حضرت احنفؒ کی اس دعا کو نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے ''مجھ کو قیامت کے روز ہر عمل سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے نجات کی امید ہے''۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور بہت سے نام کے مسلمان مرتد ہونے لگے، مسیلمہ کذاب نبوت کا دعویدار بن کر سامنے آیا احنف جو کہ ابھی جوانی کی دہلیز میں قدم رکھ رہے تھے، اپنے چچا کے ساتھ مسیلمہ کے یہاں گئے تا کہ دیکھیں وہ کیا کہتا ہے، جب دونوں اسکے پاس سے نکلے تو ان کے چچا منتشمش نے پوچھا! احنف تم کو یہ آدمی (مسیلمہ) کیسا لگا؟ احنف نے کہا بالکل جھوٹا ہے، خدا اور بندگان خدا پر جھوٹ گڑھتا ہے، ان کے چچا نے مذاقاً کہا: تم ڈرتے نہیں ہو؟ اگر میں مسیلمہ کو یہ بات بتادوں تو؟ احنف نے کہا: اس کے سامنے آپ سے قسم دلاؤں گا کیا آپ قسم کھا سکتے ہیں کہ میری طرح آپ اس کی تکذیب نہیں کرتے ہیں؟ تب دونوں ہنس پڑے اور اپنے اسلام پر باقی رہے۔ اگر آپ کو اس چھوٹی سی عمر میں بڑے بڑے معاملات کے اندر احنف کی دور اندیشی صحیح موقف اور بے لاگ فیصلہ پر تعجب ہوتا ہے تو بالکل بجا ہے، لیکن سارا تعجب دور ہو جائے گا جب آپ کو معلوم ہوگا کہ بنی تمیم کا یہ نوخیز جوان فطرت کی پاکیزگی قلب ونظر کی سچائی، ذہن ودماغ کی رسائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ بچپن ہی سے اپنی قوم کے بڑے لوگوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ ان کی مجلسوں میں شرکت کرتا تھا۔ ان کی مجلس شوریٰ میں حاضر رہتا تھا۔ اور اہل دانش

وبینش کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کرتا تھا، وہ خود اپنے متعلق بیان کرتے ہیں: ''میں قیس بن عاصم کی مجلسوں میں جایا کرتا تھا، تا کہ سنجیدگی ومتانت اور عقل ودانش کا درس لوں، جس طرح اہل علم کی محفلوں میں شریک ہوتا تھا تا کہ علوم وفنون حاصل کروں۔

ان سے پوچھا گیا؟ قیس بن عاصم کی متانت وسنجیدگی کیسی تھی؟ احنف نے کہا وہ سنجیدگی ومتانت کے پہاڑ تھے، ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ گھر کے صحن میں حبوہ (خاص بیٹھک) لگائے اور تلوار لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، اپنی قوم سے گفتگو کر رہے تھے، میں بھی اسلام کہہ کے بیٹھ گیا، ابھی تھوڑا وقت گزرا ہوگا کہ ہم کو ایک شور سنائی دیا پھر دیکھتے ہیں کہ مشکیں بندھا ہوا ایک نوجوان ان کے پاس لایا گیا اور ساتھ میں ایک مقتول بھی، عرض کیا گیا یہ آپ کا بھتیجا ہے اس نے آپ کے لڑکے کو قتل کر دیا ہے۔ یہ سنا اور اسی طرح بیٹھے رہے نہ تو اپنی خاص بیٹھک ترک کی اور نہ گفتگو بند کی، پھر اپنے بھتیجے کی طرف رخ کیا اور کہا بھتیجے! تم نے اپنے چچازاد بھائی کو قتل کر دیا اپنے ہاتھوں قطع رحمی کی۔ اور اپنا تیر خود اپنے اوپر چلا لیا، پھر اپنے دوسرے لڑکے سے کہا اٹھو، اپنے چچازاد بھائی کی مشکیں کھول دو اور اپنے بھائی کی تدفین کرو اور اس کی ماں کو سو اونٹ دیت میں لے جا کر دے دو۔

حضرت احنف کو بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کا موقع ملا تھا، خاص طور سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے انہوں نے خواب استفادہ کیا تھا، ان کی مجلسوں میں شرکت کی، ان کے مواعظ سنے، ان کے فیصلوں اور فرامین کو سمجھا اور یاد کیا۔

حضرت احنف مدرسہ عمری کے سب سے ممتاز اور فائق طالب علم تے، ان کے اوپر اس عبقری استاذ کا سب سے گہرا اثر تھا ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا! تم کو یہ متانت ووقار اور دانائی کیوں کر حاصل ہوئی؟ جواب دیا، چند باتوں کی بدولت جو میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں:

''جو مذاق کرتا ہے وہ بے وزن ہو جاتا ہے۔ جو کثرت سے کوئی بات کرتا ہے تو وہ اس کی پہچان بن جاتی ہے لوگ اسی سے اس کو یاد کرتے ہیں۔ جو زیادہ بولتا ہے تو غلطیاں اس کی زیادہ ہوتی ہیں اور جس کی غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں اس کی حیا جاتی رہتی ہے اور جس کی حیا ختم ہو جاتی ہے خدا کا خوف اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور جس دل سے خدا کا خوف نکل جاتا ہے وہ دل مردہ ہو جاتا ہے۔''

احنف اپنی انہیں صفات کی وجہ سے اپنی قوم کے سردار تسلیم کئے گئے، حالانکہ نہ تو ان کا حسب ونسب بہت بلند تھا اور نہ ان کے ماں باپ کوئی بڑے آدمی تھے۔

ان سے پوچھا گیا! اے ابو بحر: قوم اپنا سردار کس کو بناتی ہے؟ انہوں نے کہا: جس کے اندر چار صفات پائی جاتی ہیں وہ بلا اختلاف اپنی قوم میں قیادت کی منصب حاصل کر لیتا ہے۔ پوچھا گیا وہ چار صفات کیا ہیں؟ فرمایا:

- قابو میں رکھنے والا دین
- حفاظت کرنے والا حسب
- رہنمائی کرنے والی عقل
- نازیبا باتوں سے باز رکھنے والی حیا

احنف کا شمار عرب کی ان چند ہستیوں میں ہونے لگا تھا جو متانت وسنجیدگی میں ضرب المثل تھے۔ احنف کے وقار ومتانت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ عمر بن الاہتم نے احنف کو غصہ دلانے کے لئے ایک شخص سے بڑی بھونڈی گالی دلوائی، لیکن احنف چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ جب اس شخص نے احنف کا یہ حال دیکھا تو اس نے دانتوں تلے انگلی دبائی کہنے لگا:

ہائے افسوس بخدا اس نے میرا جواب صرف اس لئے نہیں دیا ہے کہ میں اس کے نزدیک بے قیمت ہوں، اس نے مجھ کو جواب کے قابل ہی نہیں سمجھا۔

ایک مرتبہ احنف بصرہ کے اطراف میں تن تنہا چلے جا رہے تھے ایک شخص نے ان کو چھیڑا ان کی عیب چینی کرنے لگا اور یہ چپ چاپ چلتے رہے، جب دونوں لوگوں کے قریب پہونچ گئے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بھائی جان اگر کچھ باقی رہ گیا ہو تو وہ بھی کہہ لیجئے ورنہ میری قوم والے اگر تمہاری باتیں سن لیں گے تو خطرہ ہے کہ کہیں تم کو زدوکوب نہ کریں۔ اور سب سے بڑھ کر احنف بڑے زاہد، عبادت گزار، دن کے شہسوار، روزہ دار، اور شب زندہ دار شخص تھے۔

ان کا معمول تھا کہ جب رات کی تاریکی چھا جاتی تو وہ اٹھتے اور چراغ روشن کرتے اور اپنے قریب رکھ لیتے پھر محراب میں کھڑے ہو جاتے اور نماز کی نیت باندھ لیتے اور عذاب الٰہی کے خوف اور غضب خداوندی کے ڈر سے ایسے بلکتے اور تڑپتے جیسے کوئی بیمار تڑپ رہا ہو، جب ان کو احساس ہوتا کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے یا کوئی عیب ظاہر ہوتا تو اپنی انگلی چراغ کی لو سے قریب کر دیتے: اور کہتے اے احنف: اس کی تکلیف برداشت کرو، آخر تم کو آج یہ گناہ کرنے کی جرأت کیوں کر ہوئی، جب تم آج اس آگ کی گرمی نہیں برداشت کر پا رہے ہو تو کل قیامت کے دن نار جہنم کی شدت کیوں کر برداشت کر سکو گے۔ اے اللہ: اگر تو مجھے معاف فرما دے تو یہ تیرا شیوہ ہے اور اگر تو عذاب دے تو میں اسی کا سزاوار ہوں۔

اللہ تعالیٰ احنف کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، وہ منفرد وبے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔

(ترجمانی از: صور من حیاۃ التابعین)

☆☆☆

سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ چشتی سنجری

اسلام کو اپنے جن فرزندوں کی ملکوتی صفات پر ناز ہے حضرت خواجہ خواجگاں عطائے رسول تاجدار ہند معین الدین چشتی سنجری ثم اجمیری کا شمار انہیں بزرگوں میں کیا جاتا ہے۔ سرکار غریب نواز سنجر کے رہنے والے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات مقدس کے ساتھ ان کی عقیدت عشق اور جنون کے درجہ تک پہنچ گئی تھی اس کے بعد آپ کو دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا پھر ارشاد محمدی ﷺ پر ہند تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے۔

جس وقت آپ ہندوستان تشریف لائے اس وقت ہندوستان کا بادشاہ پرتھوی راج چوہان تھا۔ ہندوستان اسم بامسمیٰ تھا۔ کفر وشرک کا دور دورہ تھا، الحاد وبے دینی عام تھی، کمزوروں پر وحشت وبربریت کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ ہندوستان کا سارا ماحول اختلاف ونفاق میں پروان چڑھ رہا تھا۔ انسانوں کے روپ میں شیطانوں کی بستیاں تھیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے عزم واستقلال روحانی اور جسمانی طاقت وقوت کے مقابلے میں کفار ومشرکین کے جھوٹے جادو، شعبدہ بازیاں عضو معطل ہو کر رہ گئیں۔ خیالی اور توہمی قلعہ جو کفار ومشرکین نے اپنے عوام کو مرعوب

کرنے اور بے وقوف بنانے کے لئے تیار کئے تھے۔ جن پر ان کے عقیدے کی بلند وبالا عمارت قائم ہو چکی تھی اور جس پر ان کا اعتماد راسخ ہو چکا تھا ان سب کو ایک مرد مجاہد مرد حق آگاہ (جن کو آج دنیا خواجہ غریب نواز کہتی ہے) کی نظر فیض اثر نے منہدم ومسمار کر دیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز کا ایمان اور روحانیت کا کرشمہ ہی تھا کہ جس کی بدولت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے درمیان ایک پتھر کی دیوار حائل کر دی تھی اور باطل کو پہنچوایا اور اپنی قوت باطنی اور جوش ایمانی کا لوہا منوالیا، بالآخر اس مرد مومن کے سامنے کفار ومشرکین کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ آپ کے اخلاق اور روحانی قوت کے سامنے کفر کی تاریکیوں کے بادل چھٹنے لگے اور واعظ ونصیحت کے ذریعے آپ کی تبلیغی سرگرمیاں بر آور ہونے لگی۔ جماعت جوق در جوق آ کر سرکار غریب نواز کے دست حق پر اسلام قبول کرنے لگی۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کا اصل مقصد منشا ومشن بھی یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں۔ اسی وجہ سے آپ نے بحکم نبی کریم ﷺ اپنا مسکن اجمیر فرمایا۔

''دوران تبلیغ مصائب وآلام کا شکار ہونا پڑا، کلفت وصعوبت سے دوچار ہونا پڑا۔ تمناؤں وآرزؤں کا خون ہوتا رہا، حسرتیں پامال ہوتی رہیں، مگر آپ نے اُف تک نہ کیا اور اسلام کی تبلیغ میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی، دشمنان اسلام پر قیامت آ گئی اور ان کے تمام مقاصد واغراض خاک میں مل گئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز h دشمنوں کے لئے شمشیر برہنہ اور تیغ براں بن کر ہندوستان پر چھا گئے۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

پرتھوی راجہ کوسلطنت کا زوال نظر آنے لگا

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی مقدس تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر کفار ومشرکین کے تمام حملوں کو پسپا کر دیا۔ بالآخر باطل پرستوں کوحق پرست مردمومن کے سامنے سرتسلیم خم کرنا پڑا۔ جب سلطان الہند خواجہ غریب نواز نے اجمیر میں قدم رنجہ فرمایا تھا اس وقت پرتھوی راج کی حکومت میں زلزلہ آ گیا تھا۔ دربار میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ ہر چہار دانگ عالم میں آپ کی بڑھتی ہوئی عظمت ورفعت، وشوکت وسطوت کا ذکر ہورہا تھا۔ راجہ اور اس کے مقربین وہمنشیں کوحضرت خواجہ غریب نواز کا اجمیر شریف میں قیام سخت ناگوار تھا۔ راجہ نے سرکار غریب نواز کواجمیر سے نکالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔ نئے نئے ہتھکنڈے تاشے، اس نے اور اس کے امراء نے پوری طاقت استعمال کی مگر وہ لوگ اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اس مقتدائے روزگار مومن کے سامنے اس کی ایک بھی نہ چلی بلکہ ہر دفعہ اس کو منہ کے بل گرنا پڑا۔ رفتہ رفتہ آپ کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی پوری ہندوستان میں عام ہوگئی اور لوگ آپ کے دیدار کے لئے شدت سے مشتاق ہونے لگے۔ سرکار غریب نواز کی روحانی طاقت اور باطنی قوت کا یہ عالم تھا کہ مخلوق خدا جوق در جوق آپ کے روئے پرنور کی زیارت کرنے کے لئے بارگاہ میں حاضر ہوتی اور جس پر بھی نگاہ کرم پڑ جاتی وہ مشرف بہ اسلام ہوجاتا۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فوائد السالکین میں حضرت خواجہ غریب نواز کے جمال روئے انوار سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں جو کافر آپ کا چہرہ دیکھ لیتا وہ مسلمان ہوجاتا۔ دیار ہند میں روز افزوں ترقی دیکھ کر پرتھوی راج چوہان کا حلیہ بدل گیا، اس کواس پردے میں اپنی سلطنت کا زوال نظر آنے لگا اور کہنے پر مجبور ہوگیا کہ خواجہ غریب نواز کرامت اور روحانی طاقت کی بنا پر مجھ پر فاتح اور

غالب ہیں مگر میدان جنگ میں ہرگز ہرگز ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور پھر وہ ان خدا رسیدہ بزرگ کی ایذارسانی کے لئے کمر بستہ ہوگیا۔ نومسلم حضرات راجہ کے جور وجفا کے زیادہ نشانہ بننے لگے، راجہ کے ظلم وستم وحشت وبربریت کی داستان حضرت خواجہ تک بھی پہنچی۔ آپ نے پرتھوی راج کو اس ظلم ستم اور سرکشی سے باز رکھنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی ساتھ دعوت اسلام بھی دی مگر اس کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ دعوت اسلام کی صدا گوش گزار ہونا تھا کہ پرتھوی راج آگ بگولہ ہوگیا اور کہا کہ پیر مرد یہاں آ گیا ہے اور یہاں سے بیٹھے بیٹھے غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب پرتھوی راج کا یہ نامعقول جواب حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا تو اس وقت آپ کی زبان مبارک سے جملہ نکلا ''پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کرکے ہم نے لشکر اسلام کے حوالے کر دیا، پھر سلطان شہاب الدین غوری جو ۸۷ میں زائن ہاتڑڑی کی جنگ میں ہندوستان کی کثیر افواج کے ساتھ شکست کھا کر واپس چلا گیا تھا اس نے خواجہ غریب نواز کو خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت خواجہ غریب نواز کی مقدس بارگاہ میں کھڑا ہے اور آپ اسے تسلی دے رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہندوستان کی بادشاہت آپ کو بخش دی ہے جلد ہند کی طرف توجہ کرو اور نااہل راجہ پرتھوی راج چوہان کو زندہ گرفتار کرکے سزا دو، آخر کار سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر دوبارہ حملہ کر دیا اس جنگ میں تقریباً تمام راجاؤں نے شرکت کی تھی گویا ایک مرد غازی کے مقابلے میں ہندوستان کی تمام کافرانہ قوتیں ایک مرکز پر جمع ہوگئی تھیں۔

پرتھوی راجہ کوشکست ہوگئی

مورخوں کا بیان ہے کہ پرتھوی راج چوہان کے لشکر صرف سرداروں کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھیں، تاریخی اعتبار سے یہ جنگ بڑی اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ اس

جنگ کے بعد مسلمانوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا اور سرزمین ہند پر مسلمانوں کی طویل حکومت رہی۔ بہر حال پرتھوی راج کو ترائن کی دوسری جنگ میں شکست فاش ہوئی راجہ نے فرار ہونے کی ناکام کوشش کی مگر دریائے گنگا کے آگے بڑھنے نہیں پایا تھا کہ گرفتار کرلیا گیا۔ دہلی فتح کر لینے کے بعد سلطان شہاب الدین محمد غوری اجمیر شریف پہنچے، شام ہوگئی تھی آسمان میں تارے جھلملا رہے تھے، اذان مغرب کی صدائیں گونج رہی تھیں، وہ حیران و پریشان ہویگا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک بزرگ کچھ دنوں سے اقامت پذیر ہیں، شہاب الدین تیزی سے اس طرف روانہ ہوا۔ جماعت کھڑی ہوچکی تھی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ امامت فرما رہے تھے۔

سلطان شہاب الدین محمد غوری جماعت میں شریک ہوگئے۔ جب نماز ختم ہوگئی تو ان کی نظر خواجہ غریب نواز پر پڑی۔ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، اس کے سامنے وہی بزرگ جلوہ فرما تھے، جنہوں نے انہیں خواب میں فتح کی بشارت دی تھی۔ شہاب الدین غوری جلدی سے آگے بڑھے اور حضور خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گرا اور آپ سے درخواست کی کہ اس کو حلقۂ مرید میں شریک فرمائیں۔ سرکار غریب نواز نے اس کی خواہش پوری فرمائی اور اس کو سعادت بیعت سے مشرف فرمایا۔ پھر اجمیر شریف اور اس کے اطراف میں حضرت خواجہ غریب نواز کی مساعی جمیلہ سے اشاعت اسلام کی راہیں ہموار ہوئیں اسی طرح چند سال میں پورے ہندوستان میں اسلام پھیل گیا۔

نہ پوچھ فرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو
یدبیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(اولیاء اللہ نمبر)

☆☆☆

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

قدیم ہندوستان (جس میں موجودہ ہندوستان کے علاوہ شری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان اور افغانستان کا معتد بہ حصہ شامل تھا) میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود سرکار خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن چشتی سنجری کے دم قدم سے ہے۔ اگر چہ اول الانبیاء ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا نزول ہندوستان میں ہی ہوا اور اسی سرزمین پر اللہ واحدہ لاشریک کا نام لینے والے انسان کی تخلیق اور نشو ونما کا آغاز ہوا، نیز اللہ تعالیٰ کی وحدت، عظمت اور کبریائی کا ڈنکا بجانے والے اسی ملک سے دنیا کے مختلف حصوں اور گوشوں میں پھیلے اور آباد ہوئے مگر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سے نبی آخر الزماں خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم تک کا عرصہ ہزاروں سال پر طویل ہونے کے سبب اور بندگان خدا کو راہ راست پر قائم رکھنے اور ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبلغین اسلام کا ورود مسعود اس ملک میں نہ ہونے کی وجہ سے توحید وخدا پرستی کے اجالے کفر وبت پرستی کے اندھیروں میں تبدیل ہوگئے تھے نتیجہ کے طور پر پورا ملک کفر وشرک کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اعلان نبوت کے بعد سرکار خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی اس ملک میں تشریف آوری سے

قبل، اللہ کے بہت سے مخلص بندے علما، فضلا، صوفیا، مجاہدین، فاتحین اور مبلغین اللہ کی وحدانیت، رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت وصداقت کا پیغام عام وتام کرنے کے لئے ہندوستان آئے۔ گویا عرب میں اسلام کا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی اس کی روشنی پھیلی۔ مگر سید الانبیاء فخر کون ومکاں سرور عالم ﷺ کے حکم سے جب حضرت سرکار خواجہ غریب نواز یہاں تشریف لائے تو اس کفرستان کا نقشہ ہی بدل گیا۔ یعنی ملک کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں آپ کی تبلیغ، تعلیم اور تربیت کے اجالے پھیل گئے، کفر وشرکت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور اسلام وایمان کی قندیلیں روشن ہوگئیں۔ اسی لئے اس ملک کو حضرت آدم کا ہندوستانی ہونے کے ساتھ ہی ''خواجہ کا ہندوستان'' ہونے کا شرف بھی حاصل ہے بلکہ امتدادِ زمانہ کے سبب عام ہندوستانی اسے خواجہ کا ہندوستان ہی کہتا، مانتا اور تسلیم کرتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار خواجہ غریب نواز کے بے پناہ احسانات سے غیر منقسم ہندوستانی مسلمانوں کی گردنیں بوجھل ہیں۔ ہم جس قدر بھی اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت خواجہ غریب نواز اور ان کے مقدس خلفائے کرام کے لئے احسان مندی اور تشکر کا اظہار کریں کم ہے۔

سرکار خواجہ غریب نواز سے پہلے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے کام بہت سے مسلم مجاہدین، اسلامی حکمراں، علماء صوفیا اور بزرگان دین نے بحسن وخوبی انجام دیئے، مسلم مجاہدین اور اسلامی حکمرانوں میں محمد بن قاسم، امیر سبکتگین، محمود غزنوی اور ان کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کے نام آج بھی تاریخ کی پیشانی کے جھومر ہیں۔ اس کی تفصیل کے لئے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کافی ہے۔ یہاں نہ اس کا موقع ہے نہ گنجائش۔ ہندوستان میں غزنوی خاندان کی حکومت کم وبیش دوسو سال رہی اور شمال مغربی ہندوستان کے اکثر علاقے اس کے زیر نگین رہے جس کے نتیجے

میں ان علاقوں بالخصوص اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں بالعموم جلد ہی اسلامی معاشرے کی تشکیل ہوگئی اور اسے کافی تقویت حاصل ہوئی۔ جگہ جگہ سینکڑوں مساجد ومدارس تعمیر ہوئے۔ عربی وفارسی زبانوں کی نشر واشاعت ہوئی اور لاہور جلد ہی ایک اسلامی شہر بن گیا۔ محمد عوفی نے اپنے تذکرہ لباب الالباب میں ایک خاص باب ''فضلائے غزنی ولاہور'' کے عنوان سے باندھا ہے جس میں وہاں کے شعراء علماء اور صوفیا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''ان شعراء میں ابوالفرح رونی (م ۴۸۴ھ) اور مسعود سعد سلیمان (م ۴۹۱ھ) مشہور ہیں۔''

اور آخر الذکر نے تو عربی وفارسی کے علاوہ ایک ہندی دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے، جس کا ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) نے اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ گویا ان کے زمانے میں وہ دیوان موجود تھا۔ اسی زمانے میں لاہور میں شیخ حسین زنجانی، حضرت داتا گنج بخش ہجویری صاحب ''کشف المحجوب'' شیخ اسماعیل محدث، مولانا مسعود لاہوری، ملتان میں شاہ یوسف گردیزی (م ۵۴۷ھ) صفی الدین گازرونی (م ۳۹۸ھ) شاہ کوٹ میں سلطان سخی سرور (م ۵۷۷ھ) اجمیر میں حضرت میراں سید حسین مشہدی، سید سالار مسعود غازی اور حضرت سید عبدالہ ملہم شہید وغیرہ اسلام کے مبلغین اور مجاہدین گزرے ہیں جنہوں نے تذکیر وتبلیغ کے فرائض انجام دے کر اپنے اپنے علاقوں میں اسلام کا بول بالا کیا۔ انہی حضرات کی کوششوں اور قول وعمل کی یکسانیت سے قومیں اور قبیلے مشرب باسلام ہوئے۔ یہ سچ ہے کہ اس کفرستان ہند میں اسلام کا چراغ حضرت سرکار خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کی تشریف آوری سے پہلے ہی جل چکا تھا جس کی قدرے تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے مگر نائب النبی، سلطان الہند، عطائے رسول، خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ اس برصغیر کے محسن اکبر اور

مسیحائے اعظم ہیں کہ یہاں اسلام کی دلکش بہاریں آپ ہی کی دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کا نتیجہ ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز چھٹی صدی ہجری (۵۸۶ھ یا ۵۸۸ھ) میں رسول اکرم ﷺ کے حکم سے ہندوستان تشریف لائے اور اپنی کرامت آثار تبلیغ اور کیمیا اثر نگاہ سے اس کفرستان کو اسلام کے نور سے روشن ومنور کر دیا۔ آپ کی ہندوستان میں آمد سے پہلے بہت سے مجاہدین اسلام اور علماء وصوفیائے کرام اشاعت اسلام کی خاطر ہندوستان آئے اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں انہوں نے اسلام کا بول بالا بھی کیا مگر ان کی جدوجہد کے اثرات ان کے ہی علاقوں تک محدود رہے بالخصوص ہندوستان کے شمالی مغربی خطوں سندھ، لاہور، کابل، ٹھٹھہ اور بلوچستان وغیرہ شہروں اور قصبات میں اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے جس کے زیر اثر آج بھی ان علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

خواجہ غریب نواز کی انفرادیت

جس طرح نبی اکرم خاتم پیغمبراں ﷺ کی آمد سے قبل دنیا میں بے شمار انبیائے کرام ورسولان عظام تشریف لائے مگر ان کے حلقے اور علاقے محدود تھے اس لئے ان کی تبلیغ اور رشد وہدایت کے اثرات بھی محدود رہے۔ لیکن جب خاتم الانبیاء ﷺ کی جلوہ گری ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی پیغام رسانی کا ایک عالمی نظام قائم فرمایا جس کے اثرات پوری دنیا میں مرتب ہوئے اور وہ قیام قیامت تک باقی رہیں گے۔ بلاتشبیہ سیدنا سرکار خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے قبل ہندوستان میں بے شمار مبلغین اسلام کی آمد ہوئی اور سبھوں نے اپنی اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق تبلیغ کارنامے انجام دیئے، سیاسی، علمی، عملی اور روحانی ہر ممکن طریقہ کار کو اپنا کر یہاں تک کہ اپنی جانیں گنوا کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی جدوجہد کی اور اس میں وہ کافی

حد تک کامیاب بھی رہے مگر جب سرکار خواجہ غریب نواز کے مبارک قدم اس دھرتی پر آئے تو آپ کے تبلیغی مساعی کے اثرات ہندوستان کے ہر خطے اور گوشے تک پہنچے۔ آپ کے خلفاء ومتوسلین ملک کے جس حصے میں پہنچ گئے وہاں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ کفر کی تاریکیاں کافور ہوئیں اور اسلام کے اجالوں کا سمندر موجزن ہو گیا۔ آپ سے پہلے متعدد مسلمان فاتحین نے ملک کے مختلف علاقوں پر قبضہ واقتدار حاصل کیا مگر آپ کی دعاؤں کی برکت سے پہلی بار آپ کے عہد مبارک میں دہلی اور اجمیر کے ایوانوں میں مسلمانوں کی باضابطہ مکمل حکومت کا پرچم لہرایا۔ ابوالفضل آپ کے متعلق لکھتا ہے: ''عزلت گزیں باجمیر شد وفراواں چراغ برافروخت واز دم کبرائے او گروہا گروہ بہرہ برگرفتند''۔ (آئین اکبری، ص:۲۷۰)

ترجمہ: آپ نے اجمیر میں گوشہ نشینی اختیار کی، اسلام کے چراغ خوب جلائے اور آپ کے دم قدم سے گروہ در گروہ لوگوں نے اکتساب فیض کیا۔

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خرد کرمانی (م ۷۷۰ھ) رقمطراز ہیں:

''وکرامت دیگر آنکہ مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر وکافری وبت پرست بود ومتمردان ہند ہر یکے وکلوخ وودارو درخت وستور گاؤ سرگیں ایشاں راسجدہ می کردند بہ ظلمت کفر قفل دل ایشاں مقلم ومحکم بود..... بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقیں کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بہ نور اسلام روشن ومنور گشت''۔ (سیر الاولیاء، ص:۴۷)

ترجمہ: دوسری کرامت یہ ہے کہ اس آفتاب کے طلوع ہونے (خواجہ غریب نواز کی ہندوستان میں آمد) سے قبل پورے ہندوستان میں کفر وبت پرستی کا رواج عام تھا اور ہند کا ہر سرکش اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتا تھا وہ پتھر، ڈھیلے، گھر، درخت،

چوپایوں، گائے اوران کے گوبر کوسجدہ کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے تالے اور بھی مضبوط ہورہے تھے .....اہل یقیں کے اس آفتاب کے مبارک قدموں کی برکت سے جو درحقیقت معین الدین (دین کے معین ومددگار) تھے اس ملک کی تاریکی اسلام کے نور سے جگمگا اٹھی۔آپ کی نگاہ ولایت جس پر پڑ جاتی اس کے دل کی دنیا بدل جاتی رہزن آتا رہبر بن جاتا، قاتل آتا محافظ بن جاتا، سرکش آتا غلام بن جاتا، کافر آتا مسلمان بن جاتا، فاسق آتا متقی بن جاتا، دشمن آتا حاشیہ بردار بن جاتا اور جادوگر آتا تو تائب ہوکر عامل قرآن بن جاتا۔

بڑے انقلاب کے بانی

ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹے پرانے تہبند میں لپٹا بیٹھا رہتا تھا۔پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی میسر نہ آتی لیکن سوزِ دروں کی اثر انگیزی اور نگاہ کی طلسماتی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ ایک نظر جس پر ڈال دیتے اس کی زندگی سے گناہوں کے جراثیم دم توڑ کر فنا ہوجاتے اور معصیب کے سوتے ہمیشہ کے لئے خشک ہوجاتے۔رسالہ ''احوال پیران چشت'' کے یہ جملے آج بھی ان کی اس کرامت کا اعلان کررہے ہیں:''نظر شیخ معین الدین برفاسقے کہ افتادے درزماں تائب شدے دباز معصیت نہ کردے''۔

ترجمہ: حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی نگاہ جس فاسق پر پڑ جاتی وہ اسی وقت توبہ کرلیتا اور پھر کبھی گناہ کے قریب نہیں پھٹکتا۔

آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے یہ کفرستان ہند تکبیر ورسالت کی دل نواز صداؤں سے گونج اٹھا اس مرد درویش کی چھوٹی سی مجلس رشد وہدایت کی آفاقی اور ہمہ گیر تحریک بن گئی۔کفر وشرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہزاروں باشندگان ہند

اسلام کے اس چشمۂ شیریں کی جانب دوڑنے لگے اور کفر کے مجسمے جامِ ہدایت پی پی کر اسلام کی سرمستیوں سے سرشار ہونے لگے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی فیض بار مجلس اور ان کی انقلاب آفریں اسلامی تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے **خزینۃ الاصفیاء** کے مصنف غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:''ہزار در ہزار صغار وکبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرب بہ مشرف اسلام وارادت آں حضرت سند بحدے کہ چراغ اسلام در ہند بطفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت''۔(خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، ص:۲۵۹)

ترجمہ: ہزاروں ہزار چھوٹے بڑے افراد اس خدا کے محبوب (سلطان الہند) کی بارگاہ میں آتے اور مشرب بہ اسلام اور ان کے مرید ومعتقد ہوجاتے یہاں تک کہ اسلام کا چراغ ہندوستان میں اسی بلند پایہ خاندان کی برکت سے روشن ہوا۔

حضرت خواجہ غریب نواز نے ہندوستان میں بلاشبہ کفر شکن تحریک برپا کی تھی۔ جو کام ہزاروں تلواریں اور فوج وسپاہ نہ کرسکیں وہ ایک عارف باللہ کی خاموش اور خلاقی تحریک نے کر دکھایا۔ایک فارسی شاعر نے اس کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے:

از فیض او بجائے کلیسا ومنبر است
آنجا کہ بود نعرۂ وبت کدہ
در وار کفر مسجد ومحرابفریاد مشرکاں
اکنوں خروش نغمۂ اللہ اکبر است

خواجہ کی مقبولیت اور تبلیغی اثرات

خواجہ غریب نواز کی مقبولیت اور ان کے تبلیغی اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ لکھتا ہے:

''رفتہ رفتہ بہت سے لوگ خواجہ صاحب کے معتقد ہو گئے اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا اب خواجہ صاحب کی شہرت ہر طرف ہوگئی، اور بالآخر ہندوؤں کے گروہ کے گروہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ مشہور ہے کہ جس وقت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستے میں سات سو ہندوؤں کو انہوں نے مسلمان کیا''۔ (تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد اول، ص:۲۳۲)

خواجہ مبارک العلوی لکھتے ہیں: ''حضرت خواجہ کے قدم مبارک کی برکت سے یہ علاقہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا''۔ (سیر الاولیاء ص:۴۷، سفینۃ الاولیاء از دارالشکوہ قادری، ص:۱۲۸)

میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ ''سبع سنابل'' میں حضرت سرکار خواجہ غریب نواز کی بافیض نگاہ کی تاثیر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور شیخ کی نظر جس پر پڑ جاتی ولی اللہ ہو جاتا ہے''۔ (سبع سنابل، ص:۴۳۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ جو مقبولیت حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ جو ان کے مزار پر جاتا ہے ان پر فریفہ اور دیوانہ ہو جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے قدرے توقف کے بعد یہ حقیقت بردوش جواب عنایت فرمایا:

اے سعادت بزور باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سلطان الہند سرکار خواجہ غریب نواز قدس سرہ بلاشبہ عشق و عرفان کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سرکار خواجہ غریب نواز کے فیضان روحانی (جو خود ان پر ہوا) کو بیان فرماتے ہیں: ''حضرت خواجہ معین الدین کو میں نے خواب دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے لیکن اس کی بتی حرکت کی محتاج تھی تاکہ تازہ ہو کر روشنی

پھیلا سکے مجھے انہوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا چنانچہ میں نے ایسی ہی کیا اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عنایت فرمائی اور اس واقعہ کی تعبیر بھی اجازت طریقہ تھی''۔ (انفاس العارفین، ص:۱۰۸)

خاتم الابرار حضرت علامہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قادری برکاتی مارہروی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: ''غوث اعظم کا ارشاد ہے: **قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله** . میرا یہ قدم اللہ کے ہر ولی کی گردن پر ہے۔ یہ کلمات حق حضرت نے اللہ کے حکم سے بحالت ہوش ارشاد فرمائے۔ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ جمہور اولیا اللہ کی تصانیف کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے خصوصاً خواجۂ بزرگ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ جو بالاتفاق سبھی اولیائے ہند سے زادہ شرف و بزرگی رکھتے ہیں اور فضیلت میں سب سے ممتاز ہیں انہوں نے جب غوث اعظم کا یہ مقولہ سنا تو اسی وقت خواجہ بزرگ پر کیفیت طاری ہوئی اور اسی حال میں ارشاد فرمائے ''وہ نور کا قدم میرے سر آنکھوں پر''۔ (سراج العوارف، ص:۳۹-۴۱)

اس واقعہ سے جہاں حضرت غوث اعظم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے وہیں حضرت غریب نواز کے بلند پایہ ولایت و روحانیت کا ناقابل شکست ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ سرکار خواجہ غریب نواز ان دنوں نوجوان تھے اور خراسان کی کسی پہاڑی کے غار میں ریاضت و مجاہدہ فرما رہے تھے''۔ (الشیخ عبدالقادر، بحوالہ سراج العوارف، ص:۴۲)

سرکار خواجہ غریب نواز نے اپنی روحانی قوتوں، دعوت و تبلیغ کی مسلسل کوششوں اور اپنے باکمال خلفاء کی مخلصانہ جگر کاوشوں سے ہندوستان کے چپے چپے کو نور اسلام سے روشن اور منور کر دیا۔ آپ برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کی خشت اول اور مربی اعلیٰ ہیں آپ ہی کے دم قدم سے برصغیر میں چشتیہ سلسلے کی خوشبو پھوٹی اور اس کا گوشہ گوشہ معطر و معنبر ہو گیا۔ ہندوستان میں اشاعت اسلام کا اہم کارنامہ انجام دینے والے

سلسلہ چشتیہ کے صوفیاء ومشائخ ہیں اوران اساطین چشت کے شہنشاہ وتاجدار سلطان الہند سرکار خواجہ غرب نواز ہیں۔

سلسلہ چشتیہ اوراس کے بانی

برصغیر میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی کی حیثیت سے سلطان الہند سرکار خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی سنجری متعارف ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلسلۂ چشتیہ کی ترویج واشاعت سب سے زیادہ آپ ہی کے وجود مسعود سے ہوئی۔لیکن اس سلسلے کے حقیقی بانی حضرت شیخ المشائخ شیخ ابواسحاق شامی چشتی ۔(م ۳۲۹ھ یا ۳۴۰ھ) ہیں۔چشت خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے وہاں کچھ اہل دل اور ارباب طریقت نے رشد وہدایت اوراصلاح وتربیت کا مرکز قائم کیا وہ نظام تربیت وہدایت اس مقام کی نسبت سے سلسلۂ چشتیہ کہلانے لگا۔اس نظام کے سرخیل ومقتدا شیخ ابواسحاق شامی تھے۔اورانہوں نے ہی سب سے پہلے اپنے نام کے ساتھ اس نظام تربیت کی نسبت سے لفظ ''چشتی'' لکھنا شروع کیا۔بعض روایات کے مطابق آپ کا مولد ومسکن بھی شہر چشت تھا۔ممکن ہے کہ اپنے وطن مالوف کی نسبت سے آپ نے چشتی لکھنے کی ابتدا کی ہو۔

مولانا رحیم بخش اپنی تصنیف ''شجرۃ الانوار'' میں لکھتے ہیں:''وآں دو مقام اندیکے شہر پست درمیان ولایت خراسان قریب ہرات وچشت دوم دہیست در ولایت ہندوستان درمیان اوچ وملتان وخواجۂ خواجگان چشت درچشت خراسان بودہ اند''۔ترجمہ: چشت نام سے دو مقام ہیں ایک شہر ہے جو ہرات کے قریب خراسان میں ہے اور دوسرا ہندوستان میں اوچ اور ملتان کے درمیان ایک گاؤں ہے (جواب پاکتان میں ہے) خواجگان چشت خراسان والے چشت کے تھے۔

حضرت شیخ ابواسحاق چشتی شامی

حضرت شیخ ابواسحاق شامی چشتی مشائخ کبار میں سے گزرے ہیں آپ کا لقب شریف الدین تھا آپ کی ولادت ملک شام میں اورتعلیم وتربیت چشت میں ہوئی۔ مزار مبارک بھی شہر عکہ میں ہے جو مملکت شام میں ہی واقع ہے۔(نفحات الانس،ص:۵۵۸)

روایت ہے کہ آپ مرید ہونے کے ارادے سے ملک شام سے شیخ المشائخ حضرت خواجہ ممشاش علو دینوری قدس سرہ کی بارگاہ میں بغداد پہنچے حضرت خواجہ نے دریافت کیا''تمہارا نام کیا ہے'' آپ نے جواب دیا''مجھے ابواسحاق شامی کہتے ہیں'' پھر حضرت نے فرمایا:''آج سے لوگ تمہیں ابواسحاق چشتی کہیں گے چشت اوراس علاقے کے لوگ تم سے رہنمائی پائیں گے اور جو تیرے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوگا اس کو بھی قیامت تک لوگ چشتی کہیں گے''۔(مرأۃ اسرار،ص:۳۷۱)

حلقۂ ارادت میں داخل فرما کر تربیت کے بعد حضرت شیخ علو دینوری نے آپ کو چشت بھیج دیا آپ نے وہاں جا کر ایک مرکز تربیت قائم فرمایا جہاں سے سلسلۂ چشتیہ کا آغاز اوراس کا فروغ ہوا۔**نفحات الانس** میں ہے کہ:

''شیخ ابواسحاق شامی چشت تشریف لے گئے اور وہاں حضرت خواجہ احمد ابدال کو جو چشت کے مشائخ کبار میں سے ہیں اپنی صحبت اورتربیت سے مستفیض فرمایا اور یہ سلسلہ آپ کی حیات طیبہ تک جاری وساری رہا''۔(نفحات الانس)

''صاحب مراۃ الاسرار آپ کی ایک خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی مکاشفات کے پوشیدہ رکھنے میں بے حد کوشش فرماتے تھے اسلئے آپ نے صورت صحو اختیار کر رکھی تھی تاکہ عوام آپ کے کمالات سے مطلع نہ ہوں اور صوفیائے کرام کے نزدیک یہ مقام بہت بلند ہے۔''

(مراۃ الاسرار،بحوالہ سیر الاولیاء،ص:۳۷۴)☆

شہزادۂ سلطان الہند

خواجہ فخر الدین چشتی سرواڑی رحمۃ اللہ علیہ

شاہوں کے تخت وقت کی دلدل میں دھنس گئے
تیری گلی میں وہ ہی تماشہ ہے آج بھی

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر سینکڑوں تصانیف فراہم ہو جاتی ہے مگر شہزادہ غریب نواز خواجہ سید فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت کم کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔ محققین نے اس پر کوشش تو کی مگر بہت کم محنت کی گئی۔ لہٰذا شہزادہ سلطان الہند حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل اور سیر حاصل سوانح کوئی پیش نہیں کر پایا۔ اس کمتر نے بھی تصوف کی کئی تصانیف، رسائل اور اخبارات کے مطالعہ سے اور درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور درگاہ حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام، دیوان، سجادہ نشین اور دیگر بزرگان دین کے رابطے سے حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر قلم اٹھانے کی جرأت کی ہے اور آپ کی مبارک زندگی کے گوشے پر روشنی ڈالنے کی ادنی کوشش ہے۔

دراصل ہر انسان کی زندگی مختلف خصوصیت کی حامل ہوتی ہے اور حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت ہستی بھی ایسی ہی خصوصیت کی حامل ہے کہ ہندوستان کے سب سے بڑے گھرانے تصوف کا منبع، ہندوستان کے سب سے وسیع سلسلۂ تصوف کا جس گھرانے سے آغاز ہوا جس چوکھٹ سے پورے ہندوستان کو اسلام، تصوف، انسانیت، بھائی چارہ، ایکتا، قومی یکجہتی، دنیا کے ٹھکرائے اور پریشان حال لوگوں سے محبت اور آشتی کا درس ملا اور یہ بھیک آج بھی اس در سے یکساں طور پر بغیر کسی تعصب اور بلا تفریق مذہب وملت، ذات برادری کے دی جارہی ہے۔ اسی در کے چشم وچراغ ہیں حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ ساتھ ہی آپ علم وکمالات سے لبریز ہستی بھی ہیں اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ میں بھی شامل ہیں۔ مشہور کتاب 'تاریخ مشائخ قادریہ' میں تحریر ہے کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے دو عقد کئے۔ پہلا عقد میر سید حسین خنگ سوار کی چچازاد بہن سے اور دوسرا عقد ایک راجہ کی لڑکی سے کیا۔ عقد کے بعد جن کا نام بی بی امیہ رکھا گیا۔ خواجہ صاحب کی دختر نیک اختر بی بی حافظ جمال، اسی (دختر راجہ کے بطن) سے ہی پیدا ہوئی تھیں۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ راجہ کی جس بیٹی سے خواجہ صاحب نے عقد فرمایا تھا، اس کا نام صبیحہ تھا اور اسی راجہ کی دوسری بیٹی جس کا نام بعض مصنفین وسوانح نگاروں نے راج کنور لکھا ہے۔ ان کا عقد فرزند غوث اعظم حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب سے ہوا تھا۔ (اس طرح حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیدنا عبدالوہاب جیلانی آپس میں ہم زلف (ساڑھو) بھی ہوتے ہیں۔ (تاریخ مشائخ قادریہ، جلد اول، ص ۲۹۷)

دراصل خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بوڑھے ہونے تک کوئی شادی نہ کی تھی، ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے معین الدین! تو میرے دین کا معین مددگار ہے، مگر میری سنت چھوڑ رکھی ہے، اتفاق سے اسی رات

قلعہ نبیلی کا حاکم جس کا نام ملک خطاب تھا، اس علاقے پر حملہ آور ہوا۔ وہاں کے ایک راجہ کی لڑکی اس کے ہاتھ لگی، ملک خطاب خواجہ صاحب کا مرید تھا، اس نے وہ لڑکی خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ خواجہ صاحب نے اسے (اپنی زوجیت میں) قبول فرمالیا۔ اس اعتبار سے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی بیوی راجہ کی بیٹی ہوتی ہے۔ جن کا نام امۃ اللہ رکھا گیا تھا۔

اسی طرح سید وجیہہ الدین مشہدی کے ایک لڑکی تھی، جو عفت کمال سے آراستہ تھی اور عصمت کے پیرائے میں پیراستہ تھی۔ یہ لڑکی حد بلوغیت (بالغ ہونے کی عمر) کو پہنچ چکی تھی، لیکن کفو (برابری) کی وجود پر موقوف تھی۔ سید صاحب نے ایک رات خواب میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، انہوں نے آپ سے فرمایا کہ اے بیٹا وجیہہ الدین! مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیٹی کی شادی خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کرو۔ چونکہ سید صاحب خواجہ صاحب کی عقید تمندوں میں سے تھے، انہوں نے خواجہ صاحب سے یہ تمام ماجرہ کہہ سنایا۔

خواجہ صاحب نے فرمایا، وجیہہ الدین! میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور مرنے کی قریب ہوں، مگر چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس لئے تعمیل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ دونوں بیویوں سے اولاد بھی ہوئیں، راجہ کی بیٹی سے حافظہ جمال پیدا ہوئی، جو قرآن کریم کی حافظہ تھی۔ راجہ کی بیٹی کا بی بی جمال نام نہیں تھا، جیسا کہ لوگوں میں مشہور بلکہ راجہ کی نواسی بی بی جمال تھی، جو خواجہ صاحب کی بیٹی تھیں، جن کی قبر بھی خواجہ صاحب کے پائے (قدم مبارک) میں ہے۔ جن کے شوہر کا نام شیخ رضی تھا، ناگور کے ایک گاؤں میں منگلا حوض پر ان کی قبر ہے۔ خواجہ صاحب کی صاحبزادی بی بی جمال سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ لیکن ان کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ بقول شیخ عبد الحق محدث دہلوی - خواجہ صاحب کے تین بیٹے تھے، شیخ ابوسعید، شیخ فخر الدین، شیخ

حسام الدین، ابوسعید تو شیخ وجیہہ الدین کے نواسے تھے، باقی شیخ فخر الدین اور حسام الدین کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت سید محمد گیسودراز اور کچھ درویش اس طرف گئے ہیں کہ یہ دونوں بی بی عصمت دختر سید وجیہہ الدین کے بیٹے ہیں۔ ان کے علاوہ سید شمس الدین ظاہر اور کچھ درویشوں کا خیال ہے کہ یہ دونوں بی بی امۃ اللہ کے بیٹے تھے۔ جو راجہ کی بیٹی تھی۔ (اخبار الاخیار، ص: ۲۴۴ تا ۲۴۶)

یعنی حضرت بندہ نواز گیسودراز کے مطابق پہلی بیوی کے شکم مبارک سے صاحبزادی صاحبہ پیدا ہوئی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اجمیر میں ہوئی، والد ماجد کی طرف سے آپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ لہٰذا آپ ''حسینی'' ہیں۔ آپ بی بی امۃ اللہ صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (معین الہند از ڈاکٹر از ہر الحسن شارب، ص: ۱۱۱-۱۱۹) آپ کی ولادت بہ سعادت ۵۹۱ ہجری میں ہوئی۔ (خم خانہ تصوف، ۳۸:) ''اخبار الاخیار'' کے حوالے سے آپ کی ولادت ۶۰۹ ہجری میں ہوئی۔ آپ کے دو بھائی تھے۔ ایک حقیقی اور دوسرے سوتیلے۔ حقیقی بھائی کا نام خواجہ حسام الدین ابوصالح اور خواجہ ضیا الدین ابوسعید آپ کے سوتیلے بھائی ہیں۔ بی بی حافظہ جمال آپ کی حقیقی بہن ہیں۔ (تذکرہ اولیاء ہند و پاکستان، ص: ۳۸) آپ نے اپنے والد ماجد کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی، لہٰذا آپ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے، مرید، خلیفہ اور شاگرد بھی ہیں۔

شہزادہ سلطان الہند حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام مسکن کے لئے کہیں پر ''ناندن''، کہیں پر ''ناند'' لیکن زیادہ تر جگہوں پر مانڈل کا ذکر ملتا ہے۔ مانڈل بھیلواڑا ضلع کا ایک قصبہ ہے۔ جہاں آپ نے کاشتکاری بھی کی۔ اجمیر سے کچھ فاصلے پر رائلا نام کے گاؤں میں ایک چلہ ہے۔ جسے مقامی لوگ خاندانی روایت کی بنا پر حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا چلہ بتاتے ہیں۔ یہ روایت حقیقت کے قریب

تو اس لئے ہوسکتی ہے کیونکہ چشتی خانوادے کے مطابق حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے رائلا میں چلہ کشی فرمائی ہو اور غالباً عقیدتمندوں نے یہاں چلہ بنوادیا ہو، کیونکہ پورے اجمیر شریف میں کہیں بھی حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا۔ (راشٹریہ سہارا۔غریب نواز نمبر ۱۹۹۸ء)

حضرت خواجہ فخر الدین ابوالخیر کے نام کے بارے میں بھی الگ الگ کتابوں میں الگ الگ اندراجات ملتے ہیں، جیسے ''گلزار ابرار'' کے اردو ترجمہ ''اذکار ابرار'' کے صفحہ ۳۲ پر حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی اولادوں کا ذکر کرتے ہوئے صاحب تصنیف نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام فخر الدین محمد تحریر کیا ہے۔لیکن مولانا خواجہ معنی نے ''فوائد الفوائد'' جلد دوم ۱۳ محرم ۷۱۰ ہجری کی حوالے سے محبوب الٰہی حضرت نظام الدین کے ارشاد (ترجمہ) ''میں نے سنا ہے کہ خواجہ احمد بن شیخ معین سنجری قدس سرہ بڑے پرہیزگار تھے'' کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کا نام احمد تھا اور فخر الدین لقب ہوا۔ (راشٹریہ سہارا، ۱۹۹۸ء وغریب نواز نمبر، ص:۳۲)

حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کب کہاں اور کس سے نکاح فرمایا؟ اس بارے میں ابھی تک کہیں سے بھی ثبوت فراہم نہیں ہوئے ہیں۔تمام محققین، مورخین اس بارے میں خاموش نظر آتے ہیں۔ موجودہ تذکرہ کی تو بات ہی کیا۔ قدیم تذکروں میں بھی آپکی زوجیت کا ذکر نہیں ہے۔تاہم آپکے ایک صاحبزادے حضرت سید خواجہ حسام الدین چشتی جگر سوختہ کا ذکر ضرور ہے۔جن کا مزار جے پور کے قریب ''سانبھر'' میں واقع ہے۔ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ ۵۸۷ ہجری مطابق ۱۹۹۱ء میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر تشریف لائے، آپ فارسی کے عالم اور صاحب دیوان شاعر تھے۔آپکے ہمراہ بھی صوفیوں کی ایک جماعت تھی۔ ان میں بعض حضرات نے اجمیر ہی میں قیام فرمایا اور چند صاحبان قصبہ ناگور

(مارواڑ) تالا (ریاست جے پور)، بیانا (ریاست بھرت پور) اور دھولپور تشریف لے گئے۔ ان کے علاوہ خواجہ صاحب کے ایک صاحبزادہ سرواڑ (ضلع اجمیر) تشریف لے گئے۔ (راجستھان میں اردو زبان وادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات، ص:۳۶)

ان کا (فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا) مزار سرواڑ میں ہے۔ (صوفی مومنٹ ان راجستھان، ص: ۱۰۷) حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی سے فیض یافتہ اور چھٹے واسطے سے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور سلسلۂ چشت کے ایک عظیم بزرگ حضرت سید بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ نے سرواڑ میں حضرت خواجہ فخر کے مزار پر بذات خود حاضری دی ہے اور حضرت خواجہ سید فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہونے والے خواجگان چشت میں شاید آپ پہلے بزرگ ہیں۔تذکرہ خواجہ گیسودراز میں مرقوم ہے کہ حضرت گیسودراز اجمیر سے چوتھے دن روانہ ہوکر قصبہ سرواڑ پہنچے اور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کرکے ناگور کی راہ لی۔

(تذکرہ خواجہ گیسودراز، ص:۵۰)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت خلیفہ ہوئے ہیں جن میں زیادہ تر قطب میں پچاس خلیفہ کا ذکر ملتا ہے۔مگر مشہور اور نامور خلفاء میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت خواجہ فخر الدین احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا ذکر (''بزم صوفیا، ص: ۴۵''، ''خزینۃ الاصفیہ، ص: ۲۲۵)، اجمیر سے نکلنے والے اخبار ''آستانہ'' کے ۲۰ شعبان ۱۳۴۸ھ کے شمارہ میں ۳ پر بھی تحریر ہے۔ (حوالہ۔''راشٹریہ سہارا، غریب نواز نمبر ۱۹۹۸ء، ص:۳۲)

''گلزار ابرار'' کے اردو ترجمہ ''اذکار ابرار'' پر درج ہے کہ ''پدر بزرگوار کے بعد شیخیت اور ہدایت کی مسند کو انہی کی وجود سے آرائش ہوئی تھی''۔ (اذکار ابرار، ص:۳۲)

علم کمالات سے آراستہ تھے اور صاحب تصرف بھی تھے۔ حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے صاحبزادے تھے بلکہ روحانی اہلیت وصلاحیت بھی آپ کو اپنے والد ماجد بزرگوار سے وراثت میں ملی تھی۔

حضرت خواجہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بھی ہیں، خلیفہ بھی ہیں اور سب سے بڑے بیٹے بھی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ صاحب نسبت اور صاحب عظمت بزرگ تھے۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی نے نہ صرف علوم ظاہری بلکہ علوم باطنی اور کمالات سوری ومعنوی سے بھی آراستہ فرمادیا تھا۔ آپ صاحب تصرف تھے اور دنیا سے بے نیاز تھے اور عشق الٰہی سے سرشار تھے۔

آپ ۵ شعبان ۶۶۱ ہجری کو رحمت حق میں پیوست ہوئے۔ (غم خانۂ تصوف، ص:۳۹)

بوقت وصال آپ کی عمر شریف ۷۰ سال کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا وصال حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ۲۰ سال بعد ہوا۔ مزار پرانوار سرواڑ میں بلاتفریق مذہب وملت ہندو۔مسلم سبھی کے لئے فیوض وبرکات کا سرچشمہ ہے۔

☆☆☆

امیر المومنین خلیفہ مامون

خلیفہ مامون کے کوتوال ''عباس'' نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں ایک روز امیر المومنین مامون کے دربار میں حاضر ہوا تو دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیڑیوں میں جکڑا ہوا ان کے سامنے پڑا ہوا ہے۔

انہوں نے مجھ سے کہا: اس خطرناک مجرم کو اپنی تحویل میں لے کر سخت نگہداشت میں رکھو اور کل صبح میرے سامنے پیش کرو۔

خلیفہ کی سخت تاکید کی وجہ سے میں نے اسے اپنے کمرے ہی میں رکھا، رات کو میں نے اس سے پوچھا تم کہاں کے ہو؟ تمہارا جرم کیا ہے؟

اس نے کہا: میں دمشق کا رہنے والا ہوں۔

میں نے پوچھا: فلاں شخص کو جانتے ہو؟

اس نے کہا: آپ ان کو کیسے جانتے ہیں؟

میں نے کہا: میرا اور ان کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔

اس نے کہا: جب تک آپ وہ واقعہ نہ سنادیں گے، میں کچھ نہ بتاؤں گا؟ تو میں نے اپنا واقعہ سنایا کہ:

میں حکمراں طبقے کے ساتھ دمشق میں تھا کہ زبردست بغاوت چھڑ گئی، حکمراں اپنی اپنی جان بچا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے، میں بھی ایک گلی سے بھاگا جا رہا تھا کہ ایک صاحب اپنے دروازے پر کھڑے ملے، میں نے ان سے کہا: خدارا میری جان بچا لیجئے، انہوں نے گھر میں گھس جانے کا اشارہ کیا، میں گھس گیا، ان کی بیوی نے مجھے زنانہ خانے میں لے جا کر چھپا دیا، اتنے میں میرا تعاقب کرنے والے باغی بھی آپہونچے۔ اور گھر میں تلاشی لینی شروع کر دی، جب میں ان کے ہاتھ نہ لگا تو انہوں نے کہا: اسی کمرے میں ہوگا، صاحب خانہ کی جوانمرد بیوی زنانہ خانے کے دروازے پر ڈٹ کر کھڑی تھی، وہ زور سے چلائی ارے نامراد! یہ زنانہ خانہ ہے، اس میں گھسنے کوشش ہرگز مت کرنا! خیر اس کی سخت مزاحمت کی وجہ سے وہ لوگ واپس چلے گئے۔

وہ مجھے ایک معزز مہمان کی طرح اپنے گھر میں رکھے رہے، مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی اور حیرت تو یہ کہ کبھی انہوں نے میرا نام تک نہیں پوچھا، بس مجھے میری کنیت کے ساتھ پکارا کرتے تھے، اسی طرح چار ماہ کی طویل مدت گذر گئی، فتنہ بغاوت ختم ہوگیا، میں نے ان سے کہا: ذرا اب مجھے باہر جانے دیں، دیکھوں کہ میرے غلام وخدام وغیرہ کہاں ہیں، میں نے جا کر تفتیش کی تو ان کا کچھ پتہ نہ چلا، صاحب خانہ نے چونکہ جاتے وقت مجھ سے عہد لیا تھا کہ اپنے غلاموں کا پتہ لگانے کے بعد آپ کو ضرور لوٹ کر آنا ہے، میں نے آکر صورت حال بیان کی، اور میں نے کہا: اب میں بغداد جانا چاہتا ہوں۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، حالات قابو میں آ ہی چکے ہیں اور پرسوں ایک قافلہ بغداد جانے والا بھی ہے، آپ انہیں کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔

انہوں نے اپنے ایک حبشی غلام کو بلا کر کہا: فلاں گھوڑے پر زین باندھ دو اور سامان سفر تیار کر لو، میں نے سوچا شاید حضور والا ابھی کہیں جانے والے ہیں۔ دیکھتا

ہوں تو گھر کے سبھی لوگ تیاری میں جٹے ہوئے ہیں، اور جب روانگی کا دن آیا تو فجر سے قبل ہی وہ میرے پاس آئے اور کہا: بس تھوڑی دیر میں قافلہ روانہ ہونے والا ہے، آپ تیار ہو جائیں، میں نے تو کوئی تیاری نہ کی تھی، نہ کرایا تھا، نہ سواری تھی، کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیسے جاؤں گا۔ تھوڑی دیر میں دیکھتا ہوں کہ وہ اور ان کی محترمہ عمدہ کپڑوں کی دو گٹھریاں لئے ہوئے اور نیا جوتا ہاتھ میں لٹکائے میرے سامنے ہیں، صاحب خانہ نے ایک تلوار اور اشرفیوں کی ایک تھیلی خود سے میری کمر سے باندھی، اور ایک خچر پر سامان سفر لادا اور وہ گھوڑا اور حبشی غلام پیش کر کے کہا، یہ سواری کے لئے ہے اور یہ غلام آپ کی خدمت کے لئے ہے، اتنا سب کچھ کرنے کے بعد، انہوں نے بڑی معذرت کے ساتھ کہا آپ کی خدمت کا حق ہم سے ادا نہ ہوسکا، ہم بہت شرمندہ ہیں، کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اللہ کے لئے معاف کر دو۔

میں نے کہا: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، میرے وہم وگمان سے کہیں زیادہ آپ نے میرا خیال رکھا، اور فضل واحسان کا معاملہ فرمایا، انشاء اللہ آپ حضرات کے حسن سلوک کا بدلہ چکا کے رہوں گا۔

میں بغداد آ گیا اور حکومت کے کاموں میں مشغولی کی وجہ سے اپنے محسن کی کوئی خبر نہ لے سکا، مگر ان کا حسن سلوک ذہن ودماغ پر ہر وقت چھایا رہتا ہے اور موقع کی تلاش میں ہوں کہ ان کے احسان کا بدلہ چکاؤں، بیڑیوں میں جکڑے ہوئے شخص نے کہا: اللہ نے بلا مشقت آپ کو وہ موقع فراہم کر دیا ہے۔ میں نے کہا: آئیں.....کیا؟ وہ بولا! میں ہی وہ شخص ہوں.....مگر قید وبند کی صعوبتوں نے میرا حلیہ بگاڑ دیا ہے، واقعۃً وہ اتنا بدل چکا تھا کہ مجھے پہچاننے میں دشواری ہو رہی تھی، پھر میں نے اپنے اطمینان کے لئے اس سے بہت ساری باتیں دریافت کیں اور مجھے شرح صدر ہو گیا کہ میرا محسن وکرم فرما یہی شخص ہے۔

میں نے جھٹ سے اٹھ کر اس کے سر کو بوسہ دیا اور پوچھا کہ آپ کو کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے؟

انہوں نے کہا: جس طرح اس وقت فتنۂ بغاوت برپا ہوا تھا، اسی طرح پھر ایک فتنہ رونما ہوا تھا اور بدقسمتی سے اسے میری طرف منسوب کر دیا گیا ہے، یہ ہے میرا ناقابل معافی جرم، امیر المومنین اب مجھے قتل کئے بغیر نہیں رہیں گے، اور مجھے اس وقت صدمہ اس بات کا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کو وصیت بھی نہیں کر پایا ہوں، میرا غلام فلاں کے پاس ٹھہرا ہوا ہے، اگر آپ اسے بلا کر مجھ سے ملاقات کرا دیں تو میں سمجھ لوں گا کہ آپ نے احسان کا بدلہ چکا دیا اور اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

انہوں نے اسی وقت رات ہی میں لوہار کو بلوا کر میری بیڑیاں کٹوائیں، غسل کرا کے عمدہ لباس پہنوایا اور پھر میرے غلام کو بلوایا۔

میں اپنے غلام کو دیکھ کر بے ساختہ رونے لگا اور وصیت کرنے لگا۔

عباس نے اپنے نائب کوتوال کو بلایا اور دس گھوڑے، دس خچر، ہزار اشرفیاں اور دس غلام معہ ساز و سامان میرے سامنے پیش کر کے نائب کوتوال سے کہا: ان کے ساتھ ''انبار'' (ایک شہر کا نام) تک چلے جاؤ، میں نے کہا: آپ یہ کیا کر رہے ہیں، میرا معاملہ بڑا سنگین ہے، اس فتنے کا ماسٹر مائنڈ مجھے نامزد کیا گیا ہے، اگر آپ امیر المومنین سے یہ کہیں گے کہ مجرم فرار ہو گیا ہے تو وہ دوبارہ مجھے پکڑ والیں گے، بہت ممکن ہے کہ آپ ہی عتاب کا شکار ہو جائیں۔ عباس نے کہا: آپ اپنے کو بچالیں میں آگے اپنے لئے کوئی تدبیر نکالتا ہوں۔

میں نے کہا: یہ تو نہیں ہو سکتا، میں بغداد سے اس وقت تک قدم نہیں نکال سکتا، جب تک کہ امیر المومنین کے یہاں سے کوئی اطمینان بخش خبر آپ کے بارے میں نہ مل جائے، عباس نے خوشبو ملی اور کفن ساتھ لیا، اتنے میں فجر سے پہلے ہی امیر

المومنین کی طرف سے بلاوا آ گیا کہ مجرم کو لے کر حاضر ہو۔ عباس کہتے ہیں کہ میں امیر المومنین کے دربار میں پہنچا تو وہ تیار بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ وہ مجھے تنہا دیکھ کر بھڑک اٹھے اور ڈانٹ کر پوچھا، مجرم کہاں ہے: میں خاموش رہا، انہوں نے ڈپٹ کر کہا: بولتے کیوں نہیں؟ میں نے عرض کیا، امیر المومنین پہلے میری ایک بات سن لیں..... انہوں نے کہا: میں عہد کر چکا ہوں کہ اگر تم نے یہ کہا کہ وہ بھاگ گیا ہے تو تمہیں قتل کر ڈالوں گا، میں نے عرض کیا وہ بھاگا نہیں ہے، پہلے میری اور اس کی سرگذشت سماعت فرمالیں، پھر آپ جو چاہیں بندہ حاضر ہے۔ پھر میں نے وہ سرگذشت تفصیل سے سنائی اور عرض کیا، اب دو صورتیں ہیں، یا تو آپ اس کے جرم کو معاف فرما کر مجھے اس کے احسان کا بدلہ چکانے کے قابل بنا دیں یا پھر اس کے فدیہ میں مجھے ہی قتل کر دیں، دیکھئے حضور! میں اپنے ساتھ کفن لیکے آیا ہوں۔

خلیفہ مامون بیحد متاثر ہوئے اور کہا: کمبخت! اس نے تو تمہارے ساتھ احسان کیا بغیر جانے پہچانے اور تم نے پہچاننے کے بعد؟ تم کو پہلے ہی بتانا چاہئے تھا، تاکہ ہم بھی اس کے حسن سلوک کا بدلہ دینے میں شریک ہو لیتے۔ میں نے کہا وہ اب بھی ہمارے گھر موجود ہے، اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک تمہارا کوئی اطمینان بخش فیصلہ امیر المومنین کے یہاں سے نہیں ہو جاتا ہے، میں بغداد سے نہیں جا سکتا۔ مامون نے کہا یہ تو اس حسن سلوک سے بھی بڑی بات ہے، جاؤ اسے اطمینان دلا دو، اور میرے پاس لے کر حاضر ہو۔ اس نے اطمینان بخش خبر سن کر اللہ کا شکر ادا کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور امیر المومنین کے دربار میں حاضر ہوا۔ خلیفہ مامون نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور باتیں کرتے رہے، اتنے میں ناشتہ آ گیا، اپنے ساتھ اسے بھی شریک کیا، اور پھر کہا میں آپ کو دمشق کا حاکم بنانا چاہتا ہوں، مگر اس نے معذرت کر دی۔ امیر المومنین نے اسے شاہی جوڑا مرحمت کرتے ہوئے کہا: اچھا آپ

جایئے، مگر وہاں کے حالات سے مجھے آگاہ کرتے رہنا، اور حاکم دمشق کو تحریر لکھ دی کہ ان کا خصوصی خیال رکھا جائے اور ان کا خراج (سرکاری ٹیکس) معاف کر دیا جائے۔

عباس کہتے ہیں کہ جب اس شخص کا خط آتا تو امیر المومنین کہتے: عباس! یہ دیکھو تمہارے دوست کا خط آیا ہے۔

(المستطرف: ۱/۲۴۰-۲۴۳)

☆☆☆

سلطان محمود غزنویؒ

جہاں تک ہندو قوم کے جذبات کا تعلق ہے، تمام مسلم فرمانرواؤں میں وہ محمود غزنوی سے بہت زیادہ متنفر ہیں اور یہ تنفر اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ موجودہ نصاب کی کتابیں بھی اس ذکر سے خالی نہیں ہیں اور اس کو سب سے بڑے ''ہندو دشمن'' انسان کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ محمود کے خلاف یہ زہر دراصل بعض فرنگی مورخین نے پھیلایا تھا۔ جنہوں نے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنے اور ان میں نااتفاقی پیدا کرنے کے لئے محمود کو بدنام کیا اور بعد کو بعض ہندو مورخین نے بھی ان کی اتباع میں بغیر تحقیق کے وہی لکھنا شروع کیا جو مغربی مورخین نے ظاہر کیا تھا۔

محمود کے خلاف جو الزامات قائم کئے گئے ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ''محمود بڑا متعصب تھا۔ ہندوؤں کا سخت دشمن تھا، تلوار کے زور سے اسلام پھیلانا چاہتا تھا۔ اور محض بت شکنی اس کی زندگی کا حقیقی مقصود تھا''۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا لالچی، قزاق، سنجیل، شراب خوار تھا اور (بہ سلسلۂ ذکر ایاز) اسے غیر فطری جنسی حرکات کا بھی عادی ظاہر کیا جاتا ہے حالانکہ

اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور انصاف سے کام لے کر نتائج تک پہنچا جائے تو ان میں سے کسی ایک الزام کی بھی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے برخلاف وہ بڑا علم دوست، مخیرّ، غیر متعصب اور بلند اخلاق کا انسان نظر آتا ہے۔ جولائی ۱۹۵۰ء کے ''اسلامک ریویو'' میں جناب نور احمد صاحب کا ایک مقالہ اس موضوع پر شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے محمود کا صحیح کردار پیش کر کے ان تمام الزامات کی تردید کی ہے جو اس پر قائم کئے جاتے ہیں۔

ہندوؤں کی مذہبی آزادی

سب سے پہلا الزام اس پر یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ بہ زور شمشیر اسلام پھیلانا چاہتا تھا۔ اور ہندوؤں کو ان کے غیر مسلم ہونے کی بناء پر بے دریغ قتل کر دیتا تھا۔ فاضل مقالہ نگار نے اس کی تردید کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ محمودؒ اصول اسلام کا سخت پابند تھا اور اس نے کبھی اسلام کی ''لا اکراہ فی الدین'' کی بلند تعلیم سے انحراف نہیں کیا اس نے کبھی کسی ہندو کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا اور نہ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے کسی کو ہلاک کیا۔ چنانچہ انگریزی مورخ الفنسٹنؔ نے محمودؒ کی بے تعصبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''واقعات سے کہیں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ میدان جنگ سے ہٹ کر کبھی کسی ہندو کا قتل کیا ہو'' اسی کے ساتھ سر ہیگؔ مصنف ''کیمبرج ہسٹری آف انڈیا'' کا بیان ملاحظہ ہو جنہوں نے صاف صاف اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ''اس عہد میں ہندوؤں کو پوری آزادی حاصل تھی اور ایک بڑی فوج ہندو سپاہیوں کی اس نے بھرتی کی تھی جن میں کسی ایک کو بھی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ فوج میں اور فوج کے باہر اس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رکھا تھا۔ جن میں تلک رائے، ہزاری رائے اور سونؔی خصوصیات سے قابل ذکر ہیں۔

محمودؔ ایک فاتح انسان تھا اور اس سلسلہ میں ہندو مسلمان کی کوئی تفریق اس کے سامنے نہیں تھی۔ خود ہندوستان پر اس نے جتنے حملے کئے ان میں دو حملے مسلمان حکومتوں کے خلاف بھی تھے۔ اس نے اگر ہندوستان کے ہندو راجاؤں پر حملے کئے تو اسی کیساتھ ماورالنہر اور ایران کے مسلم فرماں رواؤں کے خلاف بھی فوج کشی کی۔ اس نے اسلام پھیلانے یا ہندوؤں کو مسلمان بنانے کیلئے کبھی ہندوستان پر حملہ نہیں کیا۔ اور نہ اس نے کبھی وہ مذہبی جہاد کیا جس کا ذکر اوائل تاریخ اسلام میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے دربار کے شاعروں اور نقیبوں نے ازرہ تملق و چاپلوسی اسے مجاہد، بت شکن وغیرہ کے الفاظ سے بھی یاد کرنا شروع کیا اور اس طرح لوگوں میں یہ خیال عام ہو گیا کہ اس نے محض اشاعت اسلام کی غرض سے ہندوستان پر حملے کئے تھے۔ حالانکہ اس کا اصل مقصود صرف ملک گیری و فاتحانہ تسلط تھا اور مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

اس نے صرف انہیں مندروں کو توڑا جو قلعہ اور سیاسی مرکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور جہاں خزانہ پایا جاتا تھا۔ ان چند مندروں کے علاوہ کسی اور مندر کو نہیں تورا۔ اور جب لڑائی ختم ہوئی تو اس نے ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی دے دی۔ چنانچہ خود ایک ہندو مورخ ڈاکٹر ایشور ٹوپاؔ نے اپنی کتاب "Colitees in per-moghul times" میں ظاہر کیا ہے کہ: ''محمودؔ نے صرف ان مندروں کو توڑا جو سیاسی مراکز تھے اور جن میں بڑے بڑے خزانے محفوظ تھے۔ اور صلح ہو جانے کے بعد اس نے کسی مندر کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کی بت شکنی مذہبی تعصب سے متعلق ہوتی تو وہ فتح حاصل کرنے کے بعد اسے اور زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ کر سکتا تھا۔ اور بہ جبر ہندوؤں کو مسلمان بنا سکتا تھا۔ حالانکہ اس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ خیر! ہندوستان کو چھوڑئے، خود غزنا میں جو اس کا پایہ تخت تھا ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ابوالعلاء المعری نے اپنے رسالے ''الغفران'' میں لکھا ہے کہ محمودؔ کے زمانے

میں غزنا کے اندر محلے کے محلے ہندو آبادی کے تھے اور انہیں اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ محمود کی تمنا یہ تھی یہ وسط ایشیاء میں ایک وسیع سلطنت قائم کر کے اس پر فرماں روائی کرے اور مذہب سے اسے کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ محمد بن علی، مصنف ''مجمع الاحباب'' لکھتا ہے کہ حملہ میں ہندوستان کا اصل باعث جے پال (راجہ دیہند) تھا جس کو سبکتگین دو بار شکست دے چکا تھا۔ لیکن جب وہ پھر جنگ کے لئے باہر نکلا تو محمود نے غزنا فتح کر کے اس کی قوت کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد محمود کے حملے ہندوستان پر صرف سیاسی وہ ملکی اغراض سے تعلق رکھتے تھے اور مذہب سے انہیں کوئی واسطہ نہیں تھا۔

محمود کی علم دوستی

محمود پر جو الزام قائم کئے جاتے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ حد درجہ پست ذہن کا، ناشائستہ، بد ذوق انسان تھا۔ حالانکہ اس جیسے علم و ہنر کے قدر دان اور ذہنی ترقی کے شائق فرماں روا بہت کم ہوئے ہیں۔ وہ خود بھی بڑا ذی علم انسان تھا۔ اور بڑا اچھا ذوق شعری رکھتا تھا۔ عوفی نے بھی ''لباب الالباب'' میں اس کا کلام نقل کیا ہے۔ صاحب ابن خلکان کا بیان ہے کہ علماء، فضلاء، شعراء اور ادباء کی صحبت کا اسے بڑا شوق تھا اور ایشیاء کے ہر حصہ کے تمام ماہرین علوم وفنون اس کے دربار میں جمع تھے۔ جب وہ کسی شہر یا ملک کو فتح کرتا تھا تو وہ سب سے پہلے وہاں کے فنی نوادر جمع کر کے غزنا بھیج دیتا تھا۔ ''تاریخ گزیدہ'' کا مصنف لکھتا ہے کہ محمود ہر سال چار لاکھ دینار (اشرفی) اپنے دربار کے علماء وفضلاء پر صرف کرتا تھا۔ الفنسٹن اپنی ''تاریخ ہند'' میں ظاہر کرتا ہے کہ ''محمود کے زمانے میں غزنا اتنا بڑا زبردست مرکز اہل علم وکمال تھا کہ اس سے قبل اس کی مثال ایشیاء کے کسی فرمانروا کے عہد میں نہیں ملتی۔ ابوریحان

(مصنف تحقیق عمل ہند) ابونصر عتبی، فارابی (مشہور فلسفی)، ابن سینا (مفکر وطبیب) مورخ ثعالبی، فردوسی، عنصری، دقیقی اور منوچہری وغیرہ اسی کے دربار کے رتن تھے۔ اس نے متعدد مکاتب، مدرسے، کتب خانے اور عجائب گھر قائم کئے جو زبردست تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ اس نے غزنا میں ایک ایسی مسجد بھی تعمیر کی جو اپنے زمانے کے عجائب میں شمار ہوتی تھی۔ اس میں سونے چاندی کے فانوس اس نے آویزاں کئے نہایت قیمتی فرش مہیا کیا اور اسی سے ملحق ایک بہت بڑی یونیورسٹی قائم کی۔ یہ یونیورسٹی اتنی بڑی تھی کہ وہاں کے طلباء اور اساتذہ کے قیام کیلئے تین ہزار مکانات اسے بنوانے پڑے۔ اساتذہ کو معقول تنخواہیں ملتی تھیں اور طلباء کے وظائف مقرر تھے۔

نسبتی الزام

محمود کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک کنیز کا لڑکا تھا اور اپنے باپ کی ناجائز اولاد۔ اور اس الزام کی بنیاد فردوسی کے اس شعر پر قائم ہے جس کے بابت کہا جاتا ہے کہ فردوسی نے موعودہ انعام نہ ملنے پر محمود کی ہجو میں کہا تھا۔ وہ شعر یہ ہے ؎

پرستار زادہ نیاید بکار
اگرچہ بود زادۂ شہریار

محمود پر یہ الزام بالکل غلط ہے کیونکہ اسکی ماں امیر زلفستان کی بیٹی تھی اور سبکتگین (محمود کا باپ) اسکا شوہر تھا۔ علاوہ ازیں یہ شعر فردوسی نے کوئی نظم محمود کی ہجو میں کہی۔

فردوسی اور محمود

تاریخ کی کتابوں میں یہ روایت بہت عام ہے کہ اس نے فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کی خدمت سپرد کی اور وعدہ کیا کہ وہ ہر شعر کا معاوضہ ایک دینار دیگا۔ لیکن جب

شاہنامہ مکمل ہوگیا تو محمودؔ نے بجائے اشرفی دینے کے فی شعر نقرئی سکہ دینا چاہا۔ فردوسیؔ دل شکستہ ہوکر چلا گیا اور اس نے محمودؔ کی ہجو میں ایک نظم کہہ کر شاہنامہ میں شامل کردی (جس کا ایک شعر اوپر نقل کیا گیا ہے) کہا جاتا ہے کہ فردوسیؔ کے انتقال کے بعد محمودؔ نے موعودہ رقم اس کی لڑکی کو بھیجی اور اس نے لینے سے انکار کردیا۔ یہ روایت بالکل غلط ہے اور عہد محمودؔ کے کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ محمود کے ہم عصر مورخ عتبیؔ نے بھی جو بڑا صاف گو اور بے باک مورخ اور محمودؔ کا مخالف تھا، اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو اس کو یقیناً بڑھا چڑھا کر بیان کرتا۔

یہ روایت سب سے پہلے نظامیؔ عروضی (مصنف چہار مقالہ) نے نقل کی ہے۔ لیکن اس روایت کا ذریعہ اس نے کہیں ظاہر نہیں کیا ہے۔ نظامیؔ نے محمودؔ کے دشمنوں نے یہ روایت گھڑ کر شاہنامہ میں وہ ہجو یہ نظم بھی شامل کردی ہو اس سلسلہ میں یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ خود چہار مقالہ کی بابت بھی بہت کچھ اشتباہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس کے جو مختلف نسخے پائے گئے ہیں۔

ان میں باہم بہت اختلاف وتضاد ہے۔ اس کے بعد جو تاریخی کتابیں لکھی گئیں ان میں یہ اختلاف اور زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فردوسیؔ کا نام اس کی ولدیت، سکونت، ولادت، وفات، شاہنامہ کا آغاز واختتام، محمودؔ کا موعودہ انعام دینے سے انکار وغیرہ ان تمام واقعات میں باہم دگر تضاد پایا جاتا ہے۔

فردوسیؔ کہتا ہے کہ اس نے شاہنامہ ۴۰۰ھ میں ختم کیا اور اس کی تکمیل میں اس کو ۳۰-۳۵ سال لگ گئے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس نے شاہنامہ کی تصنیف کا کام ۳۶۸ھ یا ۳۷۰ھ میں کیا ہوگا۔ یعنی محمودؔ کی تخت نشینی سے ۶۳ سال قبل اور اس لئے یہ کہنا کہ فردوسیؔ نے محمودؔ کی فرمائش پر شاہنامہ لکھنا شروع کیا صحیح نہیں ہوسکتا۔

محمودؔ اور سومناتھ

کہا جاتا ہے کہ جب محمودؔ نے سومناتھ فتح کر کے اس کے بت لنگم کو توڑنا چاہا تو وہاں کے پجاریوں نے کہا کہ اس بت کو نہ توڑئے وہ اس کے ہم وزن سونا چاندی دینے کو تیار ہیں۔ لیکن محمودؔ نے کہا کہ میں بت پرست نہیں بت شکن ہوں اور آخر کار اس بت کو توڑ ڈالا اور اس کے اندر جتنے جواہرات بھرے تھے لے لئے۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ اور بعد کو گھڑی گئی ہے۔

کیونکہ اس عہد کے کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مورخین نے فتح سومناتھ کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ لیکن بت توڑ کر اس کے اندر سے ہیرے جواہرات لے لینے کا ذکر کسی نے نہیں کیا ہے یہاں تک کہ فرخیؔ اور دوسرے شعراء نے بھی اس کا اظہار نہیں کیا اور نہ خود محمودؔ نے اپنے خط میں جو خلیفہ بغداد کو لکھا تھا اس میں ذکر کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ محمودؔ نے بت توڑا ہو لیکن اس کے اندر ہیرے جواہرات پایا جانا صحیح نہیں کیونکہ البیرونیؔ نے لنگم بت پر بڑی تفصیلی بحث ہے اور اس نے لکھا ہے کہ یہ بت ٹھوس پتھر کا ہوتا تھا اور اس کے اندر کوئی خول ایسا نہ ہوتا تھا جس کے اندر جواہرات چھپائے جاسکیں۔

محمودؔ اور ایازؔ

کہا جاتا ہے کہ محمودؔ کو اپنے غلام ایازؔ سے بڑی محبت تھی اور اس کو اس کی امرد پرستی پر محمول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ معتبر تاریخی کتابوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اور یہ روایت بھی محمودؔ کے دشمنوں کی وضع کی ہوئی ہے۔

محمودؔ اور طمع زر

اس سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ محمودؔ نے مرتے وقت سارا خزانہ اپنے سامنے ڈھیر کرایا اور اس کو دیکھ کر رونے لگا۔ اس روایت کی تکذیب خود محمودؔ کے کردار سے ہوتی ہے جس نے علم و فضل کی قدر دانی میں ہمیشہ بے دریغ دولت خرچ کی۔ وہ اتنا تنگ نظر نہیں ہوسکتا کہ نزع کے وقت وہ دولت کی جدائی پر آنسو بہائے۔ علاوہ اس کے وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد اس کا بیٹا مسعودؔ اس کا جانشین ہوگا۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اس دولت کے چھٹنے کے خیال سے آبدیدہ ہوجاتا جو اس کے بعد اس کے بیٹے ہی کو ملنے والی تھی۔

☆☆☆

عبدالرحمٰن نبیرہ ہشام بن عبدالملک

عربوں کے ہاتھوں ہسپانیہ کی تسخیر کا آغاز ۹۲ھ کو ۷۱۱ء میں ہوا لیکن عربوں کی مستقل سلطنت کا سنگ بنیاد عبدالرحمٰن نے ۱۳۷ھ بمطابق ۷۵۶ء میں رکھا۔ وہ دمشق کے اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا۔

عبدالرحمٰن پانچ برس کا تھا جب اس کے باپ معاویہ نے وفات پائی۔ دادا نے یتیم پوتے کو محبت اور ناز و نعم سے پالا۔ چونکہ اسے ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے بڑی اعلا تعلیم دلائی۔ وہ بیس برس کا ہوا تو خاندان کے اقبال کا سورج ڈوب گیا۔

حکومت عباسیوں کے قبضے میں چلی گئی۔ اموی خاندان کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ عبدالرحمٰن جان بچا کر شام سے نکلا اور سخت مصائب و خطرات جھیل کر مراکش جا پہنچا۔ کوئی سامان پاس نہ تھا۔ ایک وفادار غلام کے سوا کوئی آدمی ساتھ نہ تھا۔ لیکن جواں مردی اور عالی ہمتی کا یہ عالم تھا کہ نظر تاج و تخت کے سوا کسی چیز پر نہ جمتی تھی۔ ایک معمولی کشتی میں سوار ہو کر مراکش سے ہسپانیہ پہنچا۔ وہاں کچھ لوگ اموی خاندان کے اس شہزادے کا نام سن کر ساتھ ہو گئے لیکن قرطبہ کے حاکم نے مقابلے کی ٹھانی۔ عبدالرحمٰن نے بے سروسامانی کے باوجود اسے شکست دی۔ پھر

سارے اسلامی علاقوں کو ایک مرکز کے تحت لا کر اس بادشاہی کی بنیاد رکھی جو ساڑھے تین سو سال تک قائم رہی۔ یورپ اس کی ہیبت سے لرزتا تھا۔ اس اموی عہد میں جو عمارتیں بنیں، انکی نظیر کوئی دوسرا ملک آج تک پیش نہ کر سکا۔ ان میں صرف ایک مسجد باقی ہے۔ اگر چہ اسکی پرانی شان وشوکت ماند پڑ چکی ہے۔ تاہم اب بھی وہ دنیا کی عبادت گاہوں میں بیگانہ مانی جاتی ہے۔

عبدالرحمٰن کی عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ باپ دادا کی سلطنت چھن گئی، کوئی بھی قابل ذکر چیز پاس نہ رہی، بمشکل جان بچا کر وطن سے نکلا اور بے سروسامانی کے باوجود نئی سلطنت کا مالک بن گیا، لیکن اس کی سیرت کا جو پہلو خاص توجہ کا مستحق ہے یہ ہے کہ بہت بڑی سلطنت کا فرمانروا ہوتے ہوئے بھی اس نے عربی سادگی اور بے تکلفی قائم رکھی۔ ہمیشہ سفید لباس پہنتا اور سفید عمامہ باندھتا۔

شہر میں جن لوگوں کے بیمار ہونے کی خبر مل جاتی، وہ امیر ہوتے یا غریب سب کی مزاج پرسی کیلئے انکے گھروں میں جاتا۔ ہر جنازے کی نماز آپ پڑھاتا اور میت کو دفن کرنے میں شریک ہوتے۔ جو شخص بھی ملاقات کیلئے آجاتا، اس سے بے تکلف ملتا۔ ہر شکایت پر خود توجہ کرتا اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں بڑے، چھوٹے یا طاقت ور اور کمزور میں امتیاز روا نہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ سوار ہو کر باہر جا رہا تھا۔ ایک شخص نے اس کے گھوڑے کی باگ تھام کر روک لیا اور کہا۔ ''جب تک میرا انصاف نہ کرو گے، ہلنے نہ دوں گا'' اپنے سامنے فریادی کا فیصلہ کروایا۔

☆☆☆

عقبہ بن نافعؒ

''اے خدا! اگر سمندر بیچ میں نہ آجاتا اور زمین ختم نہ ہو جاتی تو میں برابر فتح کے پھریرے اڑاتا اور تیری توحید کے نعرے بلند کرتا چلا جاتا''۔

یہ الفاظ تھے جو عقبہ بن نافع نے اس وقت ادا کئے جب وہ شمالی ومغربی افریقہ کو فتح کرتا ہوا دقیانوس کے کنارے پر جا پہنچا اور اس نے بے اختیار گھوڑا سمندر میں ڈال دیا، لیکن موجوں نے آگے نہ بڑھنے دیا۔ یہ وہی سمندر تھا جسے پرانے زمانے میں غالباً اس لئے بحر ظلمات کہا جاتا تھا کہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اس سمندر سے آگے کیا ہے۔

عقبہ بن نافع اسلام کے ابتدائی دور کا نامور فاتح اور بڑا با تدبیر سپہ سالار تھا۔

شمالی افریقہ میں مصر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد عربوں نے لیبیا پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے آگے بربر آباد تھے جن کے ساتھ سخت لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو عقبہ کو منتخب کیا کہ وہ بربروں کا خدشہ مٹا دے اور اسلامی حکومت کے مغربی حصے میں امن وامان قائم کر لے۔ عقبہ نے سب سے پہلے تیونس میں ایک مناسب مقام تجویز کر کے ایک چھاؤنی قائم کر دی۔ اسے فوجی مرکز بنا کر آگے قدم بڑھانا تھا۔ بعد میں

وہاں شہر آباد ہوا جس نے قیروان کے نام سے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ عقبہ نے نئے مرکز سے پیش قدمی شروع کی تو بربر کہیں مقابلہ نہ کر سکے۔ عقبہ شہروں پر شہر فتح کرتا ہوا شمالی افریقہ کی آخری حد تک پہنچ گیا۔ وہیں اس نے وہ الفاظ کہے تھے جن سے تاریخ کا ایوان ہمیشہ گونجتا رہے گا۔

علامہ اقبال نے ''شکوہ'' میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

دشت تو دشت ہیں صحرا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

۶۵ھ/۶۸۳ء میں بربروں کے ایک سردار نے جو بظاہر مسلمان ہو چکا تھا، دھوکے سے عقبہ کو الجزائر کے مشہور مقام بسکرہ میں شہید کرا دیا مگر اس نے نوک شمشیر سے جن خطوں پر نقش کھینچے تھے۔ وہ ہمیشہ کے لئے دنیائے اسلام کا حصہ بن گئے۔ عقبہ کی قبر ابھی تک شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی قومی زیارت گاہ ہے۔

خلیفہ مکتفی

عباسیوں کے انحطاط کے زمانے میں عالم اسلام میں جن فتنوں نے سر اٹھایا تھا ان میں قرامطہ سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ اعتقادات کے لحاظ سے قرامطہ کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ صرف حکومت ہی کے دشمن نہ تھے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی گردن زدنی سمجھتے تھے۔

تیسری صدی ہجری کے وسط میں انہوں نے عراق اور شام میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ۲۸۷ھ میں خلیفہ مکتفی نے اس فوج کو بصرہ کے قریب عبرت ناک شکست دی اور سپہ سالار کے سوا کسی کو بھی بچ نکلنے کا موقع نہ دیا۔ اس کے بعد وہ پھر شام کی طرف متوجہ ہوئے اور دمشق سے لے کر انطاکیہ تک ہزاروں مسلمانوں کو

قتل کرنے کے بعد ان کے رہنما ذکروی کے ایک بیٹے نے شام پر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ خلیفہ نے اپنے مصری جرنیل محمد کی قیادت میں فوج روانہ کی اور اس نے قرمطیون کو شکست دی۔ ذکروی کا بیٹا مارا گیا لیکن قرمطیون کے حوصلے نہ ٹوٹے۔ ایک سال کے بعد ذکروی پھر گمنامی کے پردوں سے نمودار ہوا اور اس نے یہ اعلان کیا کہ: ''اس کی اعانت کے لئے مہدی کا ظہور ہونیوالا ہے اور اللہ نے اسے کوفہ اور اس کے بعد شام میں فتوحات حاصل کرنے اور اپنے نائب کی حیثیت سے حکومت کرنے کی بشارت دی ہے''۔

اس اعلان نے قرمطیون کے حوصلے پھر سے تازہ کر دیئے اور انہوں نے ایک بہت بڑی تعداد میں عراق پر چڑھائی کر دی۔ کوفہ سے کچھ دور خلیفہ کی فوج کو پسپا کرنے کے بعد انہوں نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان پڑاؤ ڈال دیئے اور مکہ سے حاجیوں کے جو قافلے واپس آ رہے تھے۔ ان کے متوقع راستوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ ایک قافلہ کسی بستی کے لوگوں کے انتباہ پر بچ کر نکل گیا۔ اس پر قرمطیون نے اس بستی کو جلا کر راکھ کر دیا۔ دو قافلے ان کے نرغے میں آ گئے اور انہوں نے بیس ہزار انسانوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ بربریت اور وحشت کے اس طوفان نے بغداد پر لرزہ طاری کر دیا۔ خلیفہ نے ایک آزمودہ ترک جرنیل کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی فوج روانہ کر دی۔ دو دن کی خونریز لڑائی کے بعد قرامطہ کو شکست ہوئی۔ ذکروی مارا گیا۔ اور یہ فتنہ کچھ دیر کے لئے ٹھنڈا پڑ گیا۔

قرامطہ کا حجاج کرام پر حملہ

لیکن چوتھی صدی کے آغاز میں قرمطی پھر نمودار ہوئے اور ۳۱۱ھ میں انہوں نے اچانک بصرہ پر قبضہ کر کے چند روز تک قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ بغداد سے

حکومت کی افواج کی آمد کی اطلاع پا کر انہوں نے شہر خالی کر دیا لیکن ہزاروں عورتوں کو لونڈیوں کی حیثیت میں اپنے ساتھ لے گئے۔

اس کے بعد انہوں نے قافلوں پر حملے شروع کر دیئے۔ حاجیوں کے ایک قافلے کے ساتھ ہزار آدمی انہوں نے کوفہ کے قریب موت کے گھاٹ اتار دیئے اور پھر اچانک بصرہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں بھی بصرہ کی تاریخ دہرائی گئی۔ قرمطیون کے نزدیک مسلمان عورتوں اور بچوں کو بھی بدترین عذاب دے کر قتل کرنا ایک کارِ ثواب تھا۔ عراق میں ان کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے شہروں کی طرح بغداد کے لوگ بھی اپنے گھروں سے بھاگ کر دریائے کے پار پناہ لے رہے تھے۔ چار سال ان وحشیوں نے قتل و غارت جاری رکھی۔ بالآخر بغداد کی فوج نے انہیں شکست دی اور وہ عرب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن یہاں بھی ان کی بربریت میں کوئی فرق نہ آیا۔ انہوں نے مکہ معظّمہ میں بھی کوفہ اور بصرہ کے مظالم کی یاد تازہ کر دی۔ ان کی درندگی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مکہ معظّمہ میں پناہ لینے والوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ شہیدوں کی لاشیں چاہ زمزم میں پھینکی گئیں۔

قرامطہ خانہ کعبہ سے حجرِ اسود اٹھا کر لے گئے اور یہ بیس سال تک ان کے پاس رہا۔ ان واقعات کے بعد تمام اسلامی ممالک میں قرمطیون کے خلاف غصہ اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کی سرگرمیاں ایک مدت کے لئے ٹھنڈی پڑ گئیں۔ عراق، شام اور دوسرے ممالک سے جو قرمطی حکومت اور عوام کے انتقام سے خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ ان کی جائے پناہ سندھ تھی۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط آخر میں ملتان پر قرمطیون کی حکومت تھی۔ عالم اسلامی ہزاروں بستیاں جلانے اور ان گنت انسانوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کرنے کے بعد شاید یہی ایک بدنصیب خطہ تھا، جہاں ان جنونیوں کو اپنی سلطنت قائم کرنے کا موقع ملا تھا۔ ۳۹۶ھ میں محمود نے قرامطہ کو ختم

کرنے کے لئے ملتان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا لیکن انند پال (لمغان ہندوستان کے صوبہ کا راجہ) جس کے ساتھ اس کے تعلقات مصالحانہ تھے ملتان کے قریب قرمطی حکمران ابوالفتح داؤد کا طرفدار بن گیا اور اس نے محمود غزنوی کو پشاور کے قریب دریا عبور کر کے اپنی حدود سے گزرنے کی اجازت نہ دی اور اس کا راستہ روکنے کے لئے پیش قدمی کی۔ محمود نے اسے عبرتناک شکست دی اور دریائے چناب تک اس کا تعاقب کیا۔ انند پال نے اپنی رہی سہی فوج کے ساتھ کشمیر کی پہاڑیوں میں جا کر پناہ لی۔ محمود غزنوی نے اس کا تعاقب کرنے کے بجائے ملتان کا رخ کیا۔ محمود غزنوی نے ابھی ملتان کے چند سرحدی علاقے فتح کئے تھے کہ اسے خراسان میں الک خان کے حملوں کی مدافعت کے لئے اچانک واپس جانا پڑا۔

محمود غزنوی نے ملتان پر مکمل فتح پانچ سال کے بعد حاصل کی اور ایک خونریز جنگ کے بعد قرمطی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔ (از تاریخ ہند)

☆☆☆

سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ

سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سلسلۂ سیاحت ایران و برصغیر آمد سے شروع کیا۔ وہ ۱۸۵۶ء میں ہندوستان آئے، جہاں سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹمار ہا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے وہ حج کے لئے حجاز مقدس چلے گئے۔ حج سے واپسی پر وہ کابل واپس آئے تو افغانستان کے حکمراں امیر دوست محمد خان کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔

سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ انیسویں صدی عیسوی کے نابغہ روزگار شخصیت تھے، وہ اسلامی اتحاد کے زبردست داعی تھے۔ عالم اسلام کے اتحاد و یگانگت کے لئے جس قدر بے لوث کوششیں جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیں، ان کی مثال ملنی محال ہے۔ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کوششیں اتحاد عالم اسلام کے لئے آج بھی مشعل راہ ہیں۔ بہت سے مفکرین اور تنظیموں نے جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و خیالات سے رہنمائی حاصل کی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو مسلمانوں کا ایک عظیم رہنما قرار دیا تھا۔ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے علاوہ ایک مفکر، فلسفی، مصنف، صحافی اور سیاست دان بھی تھے، انہوں نے عالم اسلام کو بیدار کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا راستہ اپنایا۔ جمال الدین افغانی ۱۸۳۸ء کو کابل کے ایک قصبہ اسعد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید صفدر تھا۔ آپ کے خاندان کا تعلق حنفی سادات سے

تھا، بچپن اور جوانی کے ایام کابل میں گزرے۔ ۱۸ برس کی عمر تک سید جمال الدین نے قرآن، فقہ، فلسفہ، تاریخ، تصوف، قانون، ریاضی، طب، سائنس اور علوم فلکیات میں دسترس حاصل کر لی تھی، ان کا حافظہ بہت تیز اور طریقۂ استدلال حیرت انگیز تھا، مشرقی و مغربی علوم میں دسترس حاصل کرنے کے بعد انہوں نے سیاحت کا ایک طویل سلسلہ شروع کا۔ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ میں جوہر خطابت بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔

سید افغانی کا پہلا اخبار شمس النہار

سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سلسلۂ سیاحت ایران و برصغیر آمد سے شروع کیا۔ وہ ۱۸۵۶ء میں ہندوستان آئے، جہاں سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹمار ہا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے وہ حج کے لئے حجاز مقدس چلے گئے۔ حج سے واپسی پر وہ کابل واپس آئے تو افغانستان کے حکمراں امیر دوست محمد خان کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ امیر کے ساتھ مہم ہرات میں شریک ہوئے اور اسی اثنا میں انہوں نے ''شمس النہار'' کے نام سے افغانستان کا پہلا اخبار نکالا۔

جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر دوست محمد خان کے ساتھ مل کر افغانستان کی تعمیر و ترقی کے لئے بہت سا کام کیا۔ انہوں نے ''کابل'' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ دربار حکومت کو ایک جدید نظام کے تحت از سر نو تشکیل دیا، عوام کے ساتھ حکومت کا رابطہ بہتر کیا، تعلیم کو عام کیا، سرکاری شفاخانے قائم کئے، ڈاک کا نظام قائم کیا۔ وزیروں کی ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی۔

بیرونی ممالک میں سفیر اور نمائندے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا، انگریزوں کی وجہ سے جب افغانستان میں بغاوت ہوئی تو جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۶۸ء میں دوبارہ حجاز مقدس حج کے لئے چلے گئے۔

اسلام کے نام پر متحد ہونے کا پیغام

۳۰ سال کی عمر میں جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ ایک انقلابی رہنما کے طور پر مشہور ہو چکے تھے۔ پورے ۲۹ سال تک وہ برصغیر، ایران، مصر اور ترکی میں رہائش پذیر رہے۔ کچھ عرصہ انہوں نے لندن میں بھی قیام کیا۔ مصر میں قیام کے دوران افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ ازہر میں عربی زبان میں اسلام کے متعلق لیکچرز کا سلسلہ شروع کیا۔ جامعہ ازہر میں ان کے دست راست محمد عبدہ تھے۔ مصر اس وقت برطانوی تسلط میں تھا، آپ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مصر اور دوسرے عرب ملکوں میں قومی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس سے انگریزوں کے مفادات پر زد پڑی تو آپ کو مصر سے بھی نکلنا پڑا۔ قیام مصر کے دوران جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر ملکی تسلط کے خلاف حزب وطنی کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی۔ انہوں نے ہندوستان، افغانستان اور وسطی ایشیا کے مسلمانوں کو اسلام کے نام پر متحد ہونے کا پیغام دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب اتحاد عالم اسلام کے لئے کوئی تجویز دی گئی تھی۔ انہوں نے کچھ عرصہ ترکی میں بھی گزارا جہاں استنبول یونیورسٹی میں اسلام کے حوالے سے انہوں نے ترکی زبان میں لیکچرز کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ تاکہ ہم انقلابی سوچ کے باعث حکومت ترکی نے بھی انہیں اپنے ہاں سے نکال دیا۔

افغانی نے شاہ کے خلاف تحریک چلائی

مصر سے نکلنے کے بعد جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد دکن آئے۔ یہاں انہوں نے اپنی مشہور تصنیف ''حقیقت مذہب نیچری'' تحریر کی۔ اس کتاب میں انہوں نے سرسید اور ان کی علمی تحریک پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ۱۸۸۲ء میں مصر میں برطانوی

حکومت کے خلاف تحریک چلی، اس تحریک کا الزام جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ پر لگا جس کے باعث وہ گرفتار ہو گئے۔ رہائی کے بعد جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ کیلئے ایران کے وزیر اعظم بنے، تاہم شاہ قاچار سے اختلافات کی بنا پر افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ کے خلاف تحریک چلائی جس کے نتیجے میں شاہ قاچار یکم مئی ۱۸۹۵ء کو قتل کر دیئے گئے۔

افغانی کی رحلت اور تدفین

جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے آخری برس قسطنطنیہ ترکی میں گزارے۔ سلطان ترکی عبدالحمید نے آپ کی رہائش کے لئے ایک مکان اور ۷۵ پاؤنڈ کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس دوران انہوں نے اپنے علمی اور تدریسی کام کو جاری رکھا۔ افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہر سوچ کا محور اتحاد اسلام تھا۔ ان کے ہر لیکچر، تحریر اور کتاب کا مقصد یہی تھا کہ مسلمان یکجا اور اکٹھا ہو جائیں۔ جمال الدین کے ان خیالات سے ترکی کے علماء نے اختلاف کیا۔

علاوہ ازیں افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان ترکی کے مرشد سید عبدالمہدی کے بارے میں بعض سخت الفاظ کہے اور شیطان کے لقب سے موسوم کیا۔ اس کی وجہ سے سلطان ترکی نے انہیں نظر بند کر دیا۔ اسی نظر بندی کے دوران افغانی رحمۃ اللہ علیہ پر سرطان کا حملہ ہوا۔ جس کے باعث وہ ۹/ مارچ ۱۸۹۷ء کو انتقال کر گئے۔ بوقت رحلت افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۵۹ سال تھی۔ انہیں ترکی کے مشہور قبرستان نشان طش میں پیوند خاک کر دیا گیا۔

۱۹۴۵ء میں افغان عوام کے بے پناہ اصرار پر شاہ افغانستان ظاہر شاہ نے جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی میت ترکی سے منگوائی، ممبئی سے ہوتی ہوئی لاش لاہور ریلوے اسٹیشن پر لائی گئی، بادشاہی مسجد میں ہزاروں افراد نے نماز جنازہ ادا کی،

تابوت کا ایسا ہی استقبال پشاور میں ہوا، جہاں سے ان کے تابوت کو کابل یونیورسٹی کے احاطے میں دفن کر کے ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا۔

مسلمانوں کا اتحادی مرکز بیت اللہ

سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے تجرد کی زندگی گزاری، ان کی زندگی میں ان لوگوں کیلئے ایک کشش ہے جو اتحاد اسلام کے داعی ہیں اور اکیلے ہی کچھ کر گزرنا چاہتے ہیں۔ وہ تحریر و تقریر کے انسان تھے۔ ان کے بہت سے مضامین بین الاقوامی جرائد میں شائع ہوئے جن میں عروۃ الوثقیٰ The Bee شامل ہیں۔ انہوں نے انگریزی، اردو، فارسی اور عربی میں لیکچرز اور تقاریر کا ایک عظیم سلسلہ شروع کیا۔ افغانی رحمۃ اللہ علیہ جس ملک میں بھی گئے انہوں نے وہاں کی زبان بخوبی سیکھی۔ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات سے ترکی، مصر اور ایران کی مذہبی و سیاسی شخصیات متاثر ہوئیں۔ عالم اسلام کی تمام جدید تحریکوں کا سرچشمہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات ہی ہیں۔ انہوں نے اسلام کے خلاف مغربی تسلط کے ابھرتے ہوئے خطرے کو سب سے پہلے محسوس کیا اور عالم اسلام کو اسکے بارے میں خبردار کیا۔ آپ نے مسلمانوں کے خلاف استحصالی قوتوں کو کار روائیوں اور اسلامی اصولوں سے انحراف کو عالم اسلام کی دینی و سیاسی تنزلی کی وجوہات جانا۔ وہ عالم اسلام کی ترقی کیلئے جدید تعلیم کو بہت اہم خیال کرتے تھے۔ مسلمانوں کی باہمی نفرت اور حکمرانوں کی خودغرضی ان کے نزدیک باعث کمزوری تھی۔

جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اتحاد اسلام کے نعرے سے عالم اسلام کو روشنا کرایا۔ یہ اتحاد دینی اور سیاسی عناصر پر مشتمل ہوگا جس کا مرکز بیت اللہ ہوگا۔ سارے مسلم ممالک کے زعماء اپنے اجتماعی اور اتحادی مسائل پر سوچ بچار کر کے اپنے لئے ایک مشترکہ لائحہ عمل بنا سکیں گے۔

اتحاد اسلام کے علاوہ انہوں نے مختلف ممالک کے درمیان مصالحت کنندہ اور سفیر کا کردار بھی ادا کیا۔ ایران میں حکومتی فرائض ادا کئے۔ ترکی اور مصر میں تدریسی و تعلیمی اور تصنیفی فرائض سرانجام دیئے۔ زار روس سے ملاقات کر کے اشاعت قرآن پر پابندی کو ختم کرایا۔ ایران اور روس کے مابین چند معاملات کو حل کرایا۔ برطانوی حکومت سے مصر اور سوڈان کو آزاد کرانے کے لئے مذاکرات کئے۔ انہوں نے دنیا کے لئے مختلف جرائد میں برطانیہ کے خلاف اور اسلام کی حمایت میں بے شمار مضامین لکھے۔ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سرزمین کو اپنا وطن تصور نہ کیا۔ ان کے پاس ایک فصیح زبان اور رواں قلم تھا۔ وہ جہاں بھی گئے، انہوں نے حکمرانوں کو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے تجاویز دیں۔ ہر ملک نے ان کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے اپنے ہاں سے نکال دیا۔ ان کا اکٹھا کیا ہوا اتحاد بین المسلمین کا خواب آج بھی تشنہ تعبیر ہے۔ اتحاد بین المسلمین کی کاوشوں کا جب بھی ذکر کیا جائے گا، سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے سرخیل قرار پائیں گے۔ (ڈاکٹر محمد سلیم الدین کی تحریر)

☆☆☆

مسلم مغل شاہوں کا ممنون ہے

آزاد متحدہ ہندوستان

ڈاکٹر آنند موہن زتشی گلزار دہلوی، عالمی سہارا، ۲؍جون ۲۰۱۲ء میں رقم طراز ہیں کہ:

اگر مغل بادشاہ یہ کوشش نہ کرتے تو آج تک ہندوستان ایک مکمل بڑا ملک نہ بنتا بلکہ ٹکڑوں ٹکڑوں میں منقسم رہتا۔ ہندو مسلم اتحاد کی بڑی تہذیب مغلوں نے ہی ہندوستان کو بخشی ہے نہ مغلوں یا مسلمانوں سے پہلے یہ صورت تھی نہ انگریزوں کے نفرت پھیلا کے تقسیم کرو اور راج کرو، کی پالیسی ہندوستان کو ایک رہنے دیتی۔

انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی، تجارت کیلئے قائم کی تھی اور اکبر کے وقت ہی سے ریشہ دوانیوں میں لگے رہے۔ اورنگ زیب کے دور تک تو ان کی پالیسی چل نہیں پائی مگر کولکاتا میں فورٹ ولیم کالج قائم کر کے زبانوں کے ذریعہ (رسم الخط کے ذریعہ) اور دوسرے اندازوں سے لارڈ کلائیو کے دور سے ہی یہاں کے راجہ، نوابوں کو لڑانے، انکے خاندان اور افسروں کو بہکانے، بھڑکانے، لالچ دینے کے ذریعہ ہندو مسلمان

دونوں کا اتحاد اور فضل دور کی رواداری دیکھ کر اس کو مٹانے کے ذرائع پر منصوبہ بندی کرتے رہے۔ بنگال میں جعفر اور جنوب میں صادق اور اجمیر اور دہلی کے اطراف میں جے چند پیدا کرنے میں لگے رہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کے بعد برسوں کی کوشش سے بہادر شاہ ظفر تک آتے آتے سب کچھ پارہ پارہ کر دیا اور ہر طرح نہ صرف مرکزی مغل سلطنت کو بلکہ سارے ہندوستان کی ریاستوں کو کمزور کر کے آپس میں لڑوا کر اپنی مکمل جگہ پیدا کی اور عملی حکومت اپنے ریزیڈینٹ (Resident) کے ذریعہ اپنے قبضہ میں کرتے چلے گئے۔ یہیں سے انگریزوں ہی نے یہ لسانی تقسیم کا ذریعہ اپنا کر زبانوں کو بانٹنا شروع کیا کہ ہندی ہندوؤں کی اور اردو مسلمانوں کی زبان ہے جس سے نفرت، عدم رواداری اور مشترکہ تہذیب کے ٹکڑے ہونے شروع ہو گئے۔ مگر اس کمزور دور میں بہادر شاہ ظفر نے اپنے دربار میں غالب، ذوق اور مومن ایسے شعراء کیساتھ مرزا ہرگوپال تشنہ اور بالمکند حضور کو اپنے ساتھ شامل رکھا۔ یہ ہی نہیں بلکہ ہندو فوجی سپاہیوں کیلئے پہلی مرتبہ لال قلعہ کے پیچھے جمنا ندی اور سابق بیلا روڈ کے درمیان رام لیلا، دسہرے کا تہوار ڈرامائی انداز میں پیش کرنے اور رامائن کو عوام تک پہنچانے کی سعی ایک مسلم مغل بادشاہ بہادر شاہ نے ہی پہلی مرتبہ شروع کی۔

بہادر شاہ ظفر نے جوڑا ہندو اور مسلمانوں کو

بہادر شاہ نے ہی 'پھول والوں کی سیر، ثقافتی میلہ کی بنیاد ڈالی اور بسنت کا تہوار اور رام لیلا سرکاری طور پر منعقد ہونے لگے۔ برسوں بعد رام لیلا قلعہ کی پشت سے ہٹا کر تیس ہزاری میدان (کشمیری گیٹ اور موری گیت کے درمیان) جہاں اب تیس ہزاری کورٹ، عدالتیں ہیں وہاں رام لیلا ہونے لگے۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک پنڈت مدن موہن مالویہ جی کی ایماء پر موجودہ رام لیلا میدان (جواہر لعل نہرو مارگ،

آصف علی روڈ، منٹو روڈ اور کملا مارکیٹ کے نزدیک) میں منعقد ہونے لگی۔ جہاں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۴ء تک والینڈا سکاؤٹ کی شکل میں میں نے بہت دلچسپی لی۔اس کی الگ تفصیل پیش کی جائے گی۔

بہادر شاہ ظفر نے ہی درگاہوں اور خانقاہوں میں بھی بسنت کا تہوار منانا شروع کیا اور وہیں قریب میں ماتا جوگ مایا کے مندر میں سرکاری طور پر سالانہ پنکھا چڑھانے کی رسم کو عوامی تقریب بنا کر ہندو مسلمانوں کو جوڑا۔مغلوں سے پہلے بلکہ مسلمانوں کی ہندوستان آمد سے پہلے کسی نے مختلف عقائد، دین ، دھرم، ملک اور فرقوں ،طبقوں کو ملانے کی ایسی منظّم اور نمایاں کوشش کبھی نہیں کی۔ جو جہاں قابض تھا وہ تھا۔اپنی چھوٹی چھوٹی اور الگ الگ ریاستوں میں خوش اور مگن تھا۔مغلوں نے سارے صوبوں، ساری ریاستوں کو شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ملا کر ایک صرف مغلوں نے کیا۔فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی دراصل بنیاد بالواسطہ مغلوں نے ڈالی۔ ورنہ ہندوستان پر قبضہ کرنے اور غلام کرنے کے منصوبہ کو کامیاب کرنے میں انگریزوں کو ۴۰۰-۳۰۰ برس نہ لگتے۔

قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ جب ۱۸۵۷ء میں جگہ جگہ انگریزوں کے خلاف فوجی اور عوامی جہاد، بغاوت اور آزادی کی تحریک شروع ہوئی جسے انگریزوں نے غدر قرار دیا۔اس وقت بھی بالآخر ساری ریاستوں نے مل کر بہادر شاہ ظفر کی مرکزی مغل حکومت کو ہی تسلیم کیا اور اپنا سربراہ اور رہنما مانا۔مختلف علاقوں نے دہلی کی مرکزی حکومت کو اپنا پیشوا (Head) اور مرکزی لیڈر تسلیم کر کے جہاد آزادی شروع کیا۔پہلی مرتبہ میرٹھ ،لکھنو ، پٹنہ، کولکاتا، گجرات، راجپوتانہ او ردکن کی تمام ریاستوں نے (گوالیار، جے پور، اندور، اجین وغیرہ وغیرہ) دہلی کی مرکزی مغل حکومت کو ہی اپنا سربراہ (شہنشاہ) تسلیم کیا۔

انگریزوں کے خلاف متحدہ بگل

اگر چہ ۱۸۵۷ء کے جہاد کو دبانے اور کچلنے میں انگریز کامیاب تو ہو گئے مگر اسی وقت سے ایک اندرونی ٹھنڈی آگ بھی انگریزوں کے خلاف سلگتی رہی۔جس نے رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ پھر ہندو مسلمانوں کو ایک کرنے کی للکار سے قوم کو، عوام وخواص کو جگایا۔ان میں بہت سے مسلم سادات، شیوخ، پٹھان اور مغلوں کی ہی اولادیں آگے بڑھیں اور ۸۵-۱۸۸۰ء سے ہی پھر انگریزوں کے خلاف آواز اٹھنی شروع ہوئی اور آزادی کا بگل بجنا شروع ہوا۔اس میں بھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) جنہیں انگریزوں نے اسیر مالٹا بنا کر جلاوطن کیا۔ پھر علی برادران (مولانا محمد علیؒ، شوکت علیؒ)، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اٹھے اور ہندوؤں و دوسرے برادران وطن کیساتھ مل کر آزادی کا نعرہ لگایا۔ ریشمی رومال تحریک، ہوم رول موومنٹ تحریک، خلافت تحریک اور عدم تعاون تحریکوں کا آغاز ہوا۔مولوی باقرؒ (ولد مولانا محمد حسین آزادؒ نے) اردو اخبار نکال کر قوم کو آزادی کا پیغام دیا۔مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ۱۲-۱۹۱۰ء میں الہلال اور البلاغ اخبار نکال کر ہندو مسلم اتحاد اور آزادی کا نعرہ بلند کیا۔انگریزوں نے سب اخبارات ضبط کر لئے۔

ہندوستان کی ملی جماعتیں اور تنظیمیں

الغرض آل انڈیا کانگریس (۱۹۱۹ء کے بعد) جمعیۃ العلماء ہند، احرار خدام خلق، بیلچہ پارٹی، سوشلسٹ کمیونسٹ انقلابی پارٹیاں اٹھتی اور ملتی گئیں۔حتی کہ ۱۹۱۰ سے ۱۹۱۹ء تک سب مل کر پھر انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی بدولت ایک ہوئے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تو فتویٰ دے دیا کہ انگریزوں کی غیر ملکی سامراجی حکومت

کے خلاف بغاوت میں اور تحریک آزادی میں جملہ برادران وطن بلا امتیاز مذہب وملت جہاد میں متحد ہو کر لڑیں اور شہنشائیت، سامراجیت، نوآبادیاتی نظام اور مذہبی نفرت کو ختم کر کے ملک کو آزاد کریں، اس فتوے کی ایک کاپی بھی مولانا مدنیؒ کے دستخط کے ساتھ میرے پاس محفوظ ہے۔ اس اتحاد کی وجہ سے ہندو مہاسبھا، قادیانی، مسلم لیگ، آریہ سماج کو انگریزوں نے بہت بہکایا، بھڑکایا، خریدنا چاہا مگر بعض کی گمرہی کے باوجود ساری قوم نے کانگریس کا ساتھ دیا۔ تلک، گوکھلے، سی آر داس، راناڈے، طیب جی، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو، سی راج گوپال آچاریہ، سروجنی نائیڈو، مولانا مظہر الحق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، انقلابی بھگت سنگھ، اشفاق اللہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے اپنے طور سے متحد ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور آخر دوسری جنگ عظیم کے ساتھ ہی اگست ۱۹۴۳ء کی 'انگریز و بھارت چھوڑو' (Quite India) کے متحدہ محاذ کی وجہ سے ہندوستان آزاد ہوا۔ جس میں قدم قدم پر مسلمانوں نے (خصوصاً مغل زادوں نے) تحریک میں ہندوؤں کا اور کانگریس کا ساتھ دیا۔ ورنہ انگریزوں کی پوری حمایت اور سرپرستی کے باوجود مسلم لیگ اور اس دور کے خان بہادر، خان صاحب، جاگیردار، زمیندار یعنی اعلیٰ مسلم طبقہ کی اکثریت انگریز اور مسلم لیگ کے ساتھ تھی۔ مگر قوم پرست، محبِّ وطن مشترکہ تہذیب کو ماننے والے سب مسلمان، سکھ، پارسی، بودھ اور جین سب نے ہندوؤں کا اور آزادی کی انقلابی تحریک کا مل کر ساتھ دیا۔ جس کے نتیجہ میں آج ہم آزاد اور خودمختار، ہمہ مذہبی جمہوری ملک بنا سکے۔ اگر یہ اتحاد کا سبق مغل نہ دیتے تو انگریز ستر ہویں (17th Century) میں سے ہمیشہ کے لئے ہندوستان پر قابض رہتے۔ المختصر یہ کہ مغلوں کی اتحادی تہذیب کی وجہ سے ہی آج ہم آزاد ہیں۔

باقی رہے نام اللہ کا۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا بنگلور) ☆☆☆

اسلاف کے انمول واقعات

فتح بن خاقان

فتح بن خاقان کو خلیفۂ متوکل کا وزیر خاص ہونے کے باوجود کتابوں سے اتنا عشق تھا کہ مطالعہ کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب ہمیشہ ان کے پاس رہتی موقع ملتے ہی فوراً مطالعہ میں مصروف ہو جاتے حتی کہ راستہ چلتے ہوئے بھی مطالعہ کرتے تاکہ آمد ورفت کا یہ وقت ضائع نہ ہو۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں خود کو لکھا ہے کہ میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا، زمانہ طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ ہر روز چار جزء لکھنا ان کی زندگی بھر کا معمول تھا وہ خود فرماتے تھے ''میں نے اپنی انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں''۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مقبول ترین اساتذہ میں سے تھے۔ کثرت مطالعہ، کتب بینی، درس وتدریس کی شبانہ روز مشغولیت میں منفرد تھے۔ ان کی کثرت کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک ہفتہ مسلسل وہ قطعاً نہ سوتے تھے۔ اور شب وروز کتاب کے سوا کوئی اور چیز ان کے ہاتھوں میں، آنکھ کے سامنے نظر نہ آتی تھی۔

مفسر قرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کا مطالعہ اور علمی انہماک بڑا مشہور تھا۔ طالب علمی میں قلب کے دورے کی شکایت ہوگئی، اکثر بے ہوش ہوجاتے۔ جوں ہی ہوش آتا، مطالعہ میں مشغول ہوجاتے۔ وہ علم کیلئے پیدا کئے گئے تھے اور علم ان کی پوری زندگی اوڑھنا بچھونا رہا، فرماتے تھے ''ہر وقت دماغ کسی علمی مسئلہ میں مشغول رہتا ہے، گھر سے دارالحدیث تک آتا ہوں تو کئی احادیث کی تشریح اس دوران کرلیتا ہوں''۔

(ملاحظہ ہو متاع وقت اور کارواں علم)

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے رات کا کھانا نیند کے غلبہ اور مطالعہ میں حرج کے خوف سے ترک کردیا تھا۔ مطالعہ کا ایسا چسکہ پڑ گیا تھا کہ عشاء کے بعد بیٹھتے تو رات تین چار بجے تک ترمذی اور بخاری کا مطالعہ دیکھا کرتے۔

مشہور ادیب جاحظ

نامور اور مشہور ادیب جاحظ جب کہ زندگی کے آخری ایام میں آدھا دھڑ مفلوج ہوگیا تھا۔ اس حال میں بھی مطالعہ کا محبوب مشغلہ جاری رہا۔ کتابوں کے جمگھٹے میں پڑے مطالعہ کرتے رہتے کہ ایک دن آس پاس رکھی کتابیں ان پر آگریں۔ مفلوج وبیمار جسم اٹھنے کی تاب نہ لاسکا بالآخر اپنی محبوب کتابوں میں دب کر جان دے دی۔ اور اس طرح ''مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا'' کے مصداق ہوگئے۔

محدث عبید بن یعیش رحمۃ اللہ علیہ

ایک بڑے محدث عبید بن یعیش گزرے ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں ہیں۔ ان سے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ تیس سال تک رات میں اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا بلکہ خود حدیث لکھنے میں مصروف رہتے اور بہن منہ میں لقمہ دیتی جاتیں۔

حضرت امام ثعلب رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن یحییٰ شیبانیؒ عربی لغت، ادب، گرامر اور قرأت وغیرہ کے بڑے نامی گرامی عالم تھے اور ''ثعلب'' کے نام سے مشہور تھے۔ انکا حال یہ تھا کہ اگر دعوت دی جاتی تو داعی سے فرماتے کہ کھانے کے وقت ان کیلئے چمڑے کے تکیہ کی مقدار جگہ خالی رکھی جائے۔ جس میں وہ کتاب رکھ کر مطالعہ کریں۔ امام ثعلبؒ کا معمول تھا کہ راستہ چلتے بھی ہاتھ میں کتاب رہتی اور مطالعہ کرتے جاتے، چنانچہ اسی طرح چل رہے تھے کہ گھوڑے نے ٹکر دی، گڑھے میں گر پڑے اور ایسی چوٹ آئی کہ دوسرے ہی دن وفات ہوگئی۔

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ ساتویں صدی کے جلیل القدر محدثین میں سے ہیں ان کے شاگرد ابراہیم بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں قاہرہ میں شیخ کے پڑوس میں بارہ سال تک رہا۔ ہمارا گھر ان کے گھر کی اوپر والی منزل تھا۔ میں نے رات کو جس کسی حصہ میں بھی اٹھ کر دیکھا تو چراغ کی روشنی میں ان کو مطالعہ میں مشغول پایا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم کے عظیم شارح اور ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث ہیں۔ تعلیم کے زمانہ میں محنت اور جدوجہد کا یہ عالم تھا کہ دو سال تک پہلو کے بل زمین پر نہیں سوئے، بیٹھے بیٹھے ہی کچھ آرام کر لیتے اور پھر مطالعہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آتے جاتے بھی وقت بچاتے اور رات چلتے مطالعہ کرتے تھے۔ دن رات میں صرف ایک بار کھانا کھاتے تھے، پھل فروٹ نہیں کھاتے۔ اس اندیشہ سے کہ اس سے جسم میں رطوبت پیدا ہو جائے گی اور پھر نیند کا غلبہ علم اور مطالعہ میں مخل ہوگا۔ علمی مصروفیات کی وجہ سے شادی بھی نہ کی۔ اور پوری عمر لکھنے پڑھنے میں گذری۔ (متاع وقت اور کاروان علم)

حضرت شاہ محمد اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم نے فرمایا کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر چالیس سال اس حال میں گزرے ہیں کہ سوتے جاگتے کتاب میرے سینے پر رہتی تھی۔

شیخ بوعلی ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابن سینا کے حالات میں لکھا ہے کہ جب کوئی کتاب ہاتھ میں آتی تھی تو بغیر اس کو پورا کئے نہیں رکھتے تھے اور یہی نہیں کہ پڑھ کر رکھ دی بلکہ اس کو پورے طور پر سمجھ کر اور اس کا تمام مطلب و ماحصل گنجینۂ دماغ میں بھر کر چھوڑتے تھے، راتیں جاگ کر کتب بینی میں بسر کرتے اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو پانی پیتے اور تازہ دم ہو کر پھر کتاب دیکھنے لگتے۔

امام جاحظ لیثی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کتب بینی کے بڑے شوقین تھے، جو کتاب ہاتھ میں آتی اسے ختم کرنے سے قبل ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے، کاتبوں اور کاغذ فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لیتے اور انمیں بیٹھ کر مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

امام محمدؒ کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ پوری پوری رات علمی کتابوں کے پیچھے گزارتے تھے، بہت تھوڑی دیر آرام کر کے فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کی والدہ نے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پر ظلم و زیادتی کیوں کرتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ امی جان! لوگوں نے اپنے علم کیلئے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور وہ سو گئے ہیں اور یہ سمجھ لیا ہے کہ جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہوگی تو مجھ سے

پوچھ لیں گے، اسلئے میں رات کو سونہیں سکتا۔ امام موصوف پوری رات کبھی اس کتاب کو کبھی اس کتاب کو دیکھنے میں گزار دیتے۔

امام ربانی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت گنگوہیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر محنتی تھے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹے بمشکل سونے، کھانے اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوتے تھے۔ اسکے علاوہ سارا وقت ایسی حالت میں گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے ہے اور خیال مضمون کی تہ میں ڈوبا جاتا ہے۔ مطالعہ میں اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو خبر نہ ہوتی، بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے اور صبح کو معلوم ہوا کہ رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ جب مطالعہ کرتے کرتے آدھی رات سے زیادہ گزر جاتی تو والد صاحب ازراہ شفقت فرماتے! کیا کر رہے ہو؟ میں جلدی سے لیٹ کر کہتا کہ سویا ہوا ہوں، کیا ارشاد ہے؟ اسکے تھوڑی دیر بعد اٹھ جاتا اور پھر مطالعہ میں لگ جاتا، شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ چراغ بعض مرتبہ میری دستار اور بال میں لگ جاتا اور مجھے پتہ بھی نہیں چلتا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم و مطالعہ مشغلہ نہیں، غذا بن گیا تھا، یہ آتش لگائے لگی تو پھر بجھائے نہ بجھی، شیخ سراج الدین فرماتے ہیں کہ:

”وکان العلم قد اختلط بلحمه ودمه وسائره فانه لم یکن مستعارا بل کان له دثاراً“ (علم ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا اور گوشت و پوست بن گیا تھا۔ علم ان کے لئے کوئی عارضی اور مانگے کی چیز نہیں تھی بلکہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔) ایک مرتبہ بیمار ہوئے، طبیب نے مطالعہ سے منع کر دیا، فرمانے لگے، ”میرا جی علم و مطالعہ ہی سے مسرت و راحت محسوس کرتا ہے“ طبیب نے کہا تو پھر یہ مرض ہمارے دائرہ علاج سے باہر ہے۔

علامہ ابن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ

ابن الاعرابی نے محض اپنی یادداشت سے اتنا کثیر علم لکھایا کہ کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر ہے۔ ان کے ذوق کتب بینی کا یہ حال تھا کہ کتابوں کا انبار سامنے لگا ہے۔ کبھی اس کتاب کو دیکھتے۔ کبھی وہ کتاب اٹھا لیتے، ان کے یہ اشعار حرز جان بنانے اور آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔

لنا جلساء ما نمل حدیثهم الباء ماموتون غیبا ومشهداً
یفیدوننا من علمهم علم ما مضی عقلا وتادیباً ورأیا مسدداً

ہمارے ہم نشین ایسے ہیں کہ ان کی گفتگو ہمیں اکتاتی نہیں، یہ لوگ دانشمند اور ہر حال میں بے ضرر ہیں۔ یہ ہم نشین ہمارے دامن کو علم و ادب اور عقل کی دولتوں سے بھرتے رہتے ہیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا تھا کہ ادھر ادھر کتابیں ہوتی تھیں اور وہ مطالعہ میں ایسے مصروف ہوئے تھے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، بیوی کو

کب گوارہ ہوسکتا تھا کی اس کے سوا کسی اور کی دل میں اس قدر گنجائش ہو، ایک روز بگڑ کر کہا: **واللہ ھذہ الکتب اشد علی من ثلاث ضرائر**". (اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں)۔

مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے ناظم کتب خانہ کو باصرار اس پر آمادہ کرلیا تھا کہ دوپہر کو کھانے اور آرام کے وقفہ میں جب وہ گھر جانے لگیں تو مجھے کتب خانہ کے اندر چھوڑ کر باہر سے تالا لگا جائیں۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے اور میں ساری دوپہر علم کے اس رنگارنگ باغ کی سیر کرتا رہتا تھا۔ فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے کی کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جو میری نظر سے نہ گذری ہو، اگر کسی کتاب کو میں نے پورا نہیں پڑھا تو کم از کم اس کی ورق گردانی ضرور کرلی تھی۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہم

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب و حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب دونوں ہم درس ساتھ تھے۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی نصف حصے میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا، آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے اور دوسرا ساتھی کو اٹھا کر اور اس کیساتھ چائے پی کر سوجائے گا۔ اب دوسرے کے ذمہ فجر کی نماز باجماعت کیلئے اپنے سونے والے ساتھی کو اٹھانا ہوگا۔ ایک دن شروع رات میں مولانا یوسف صاحب مطالعہ کرتے اور مولانا انعام الحسن صاحب سوتے اور دوسرے دن اسکے برعکس ترتیب رہتی تھی۔

مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے علمی شغف کا تذکرہ کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''بعض دوستوں نے مجھے بتلایا کہ وفات سے پہلے بھی ایک فتوی ہاتھ میں تھا جسکو موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینہ پر ڈال دیا تھا۔''

(مقدمہ فتاوی دارالعلوم، صفحہ ۴۸)

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مطالعہ میں انہماک کا ایک انگریز کا سبق آموز واقعہ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم دونوں (شبلی، آرنلڈ) جہاز میں سفر کررہے تھے یکم مئی کی صبح کو میں سوکر اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھر رہے تھے۔ اور اس کی درستی کی تدبیریں کررہے تھے۔ انجن بالکل بے کار ہوگیا تھا اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا، میں سخت گھبرایا، نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے، اس اضطراب میں او رکیا کرسکتا تھا، دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کررہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! انجن ٹوٹ گیا ہے، میں نے کہا آپ کو اضطراب نہیں؟

بھلا یہ کتاب دیکھنے کا موقع ہے؟ فرمایا کہ اگر جہاز کو برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے اور ایسے قابل قدر وقت کو رائیگا کرنا بے عقلی ہے۔ ان کے استقلال اور جرأت سے مجھے اطمینان ہوا، آٹھ گھنٹہ بعد انجن درست ہوا اور جہاز بدستور چلنے لگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: آپ کے علم کا شوق کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب میں کوئی ایسی علمی بات جو پہلے نہیں سنی تھی، سنتا ہوں تو میرے تمام اعضاء کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بھی کان ہوں جن سے وہ اس علمی بات کو سن کر لطف اندوز ہوں، جس طرح کان لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پھر پوچھا گیا: آپ کو تحصیل علم کا شوق کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس طرح ایک دنیادار کنجوس کو، مال جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ مزید پوچھا گیا: آپ علم کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس طرح کوئی ماں اپنے کھوئے ہوئے اکلوتے لڑکے کو تلاش کرتی ہے۔

حمیدی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصر گئے۔ ہم دونوں ایک ہی مکان میں ٹھہرے، میں بیچ کی منزل میں اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ بالائی منزل میں۔ کبھی میں رات میں اٹھتا تو بالائی منزل پر چراغ جلتا ہوا دیکھا میں خادم کو پکار کر پوچھتا یہ چراغ کیوں جل رہا ہے؟ وہ کہتا کہ آپ ہی اوپر جا کر دیکھئے ماجرا کیا ہے؟ میں اوپر چڑھتا، دیکھا تو اما شافعی رحمۃ اللہ علیہ قلم کاغذ لئے بیٹھے ہیں، میں کہتا ابوعبداللہ! اب لکھنا پڑھنا بند کرو، رات بہت ہوگئی ہے، وہ کہتے میں نے فلاں حدیث میں غور کیا۔ کچھ مسائل ذہن میں آئے، میں نے سوچا کہیں یہ ذہن سے نکل نہ جائیں، اس لئے چراغ جلا کر انہیں قلم بند کرنے لگا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ رات میں اٹھتے، چراغ جلاتے اور ذہن میں جو علمی مسئلہ آتا اسے قلم بند کرتے۔ پھر چراغ بجھا کر لیٹ جاتے، پھر اٹھتے اور چراغ جلا کر لکھتے، اسی

طرح تقریباً بیس مرتبہ آپ اٹھ کر لکھتے۔ اسلاف کے شوق علم اور ذوق مطالعہ کے یہ چند واقعات ہیں۔ جو آج کل کے طلبہ اور اساتذہ کیلئے مشعل رہا ہیں۔ کاش انہیں حرز جان بنالیا جاتا اور اپنی زندگی کا از سرِ نو آغاز کیا جاتا ہے۔ عزم وارادہ آدمی کے اختیار میں ہے پھر توفیق الٰہی ضرور شامل حال ہوگی۔

☆☆☆

بحمداللہ تعالیٰ

''اُمت کے روشن چراغ'' جلد اول کتاب کی تکمیل ہوئی۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ .

محمد افضل ممتاز رحیمی

خادم: خانقاہ رحیمی بنگلور کرناٹک

مورخہ ۱۸ر ستمبر ۲۰۱۳ء
مطابق ۱۱ر ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ بروز چہارشنبہ

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی حفظہ اللہ

کی مزید تالیفات

۱	خوابوں کی تعبیر اور ان کی حقیقت	جلد اول و دوم (سوم زیر طبع)
۲	انوار السالکین	
۳	انوارِ طریقت	
۴	تصوف کی حقیقت	
۵	سفرنامہ جنوبی ہند تا جنوبی افریقہ	
۶	مفتاح الصلوٰۃ	
۷	ملفوظات حبیب الامت حفظہ اللہ	دو جلدیں
۸	سوانح حاذق الامت رحمۃ اللہ علیہ	
۹	پیارے نبی کی پیاری دعائیں	
۱۰	خطباتِ رحیمی	دس جلدیں
۱۱	خطباتِ حبان برائے دخترانِ اسلام	دس جلدیں
۱۲	تفسیری خطباتِ حبان	دو جلدیں
۱۳	خطباتِ رمضان المبارک	چار جلدیں
۱۴	طالبات تقریر کیسے کریں؟	دس جلدیں
۱۵	خواتین کے لئے منتخب تقاریر	
۱۶	خواتین کے لئے اصلاحی تقاریر	
۱۷	مستورات کے لئے انقلابی تقاریر	
۱۸	الحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم	
۱۹	زیاراتِ حرمین شریفین	
۲۰	مجالسِ رحیمی	دو جلدیں

۲۱	فیضانِ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	
۲۲	اسرارِ طریقت	
۲۳	انجمن دیندار چن بسویشورا مسلمان نہیں	
۲۴	رمضان المبارک کے مسائل و فضائل	
۲۵	امت کے روشن چراغ	تین جلدیں
۲۶	گناہوں کے انبار	دو جلدیں
۲۷	اسلام میں عورت کی عظمت	دو جلدیں
۲۸	فضائل اعمال کی فضیلت و اہمیت	
۲۹	صحت مند زندگی کے راز	
۳۰	بیاض حبان	
۳۱	تصوف اور سلوک کی حقیقت	
۳۲	عملی زندگی	

☆☆☆

زیاراتِ حرمین شریفین

''زیاراتِ حرمین شریفین'' ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں نہ صرف حج و عمرہ کا طریقہ بلکہ تمام اوراد و وظائف، مسنون اور مستحبات ادعیہ، مقاماتِ مقدسہ کی نشاندہی، تاریخی پس منظر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملاً طریقۂ کار، دلائل و مسائل، قصائص قرآنی و احادیثِ نبوی، درود و سلام، مناجات و ادعیہ اور آدابِ حرمین مفصل بیان کئے گئے ہیں، اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں جدید سائنسی تحقیقات وغیرہم شامل کی گئی ہیں غرض 400 صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ زائرین حرمین شریفین کے لئے ایک ایسا دفتر ہے جس میں وہ اپنی تمام تشنگی کو بجھا سکتے ہیں۔

قیمت:.....